کشکول ۲
دستغیب

آیت اللہ السید عبد الحسین دستغیب

مترجم علامہ محمد حسن جعفری



یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری۔

DvD Version

NOT FOR COMMERCIAL

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

فہرست

صفحہ

عرض مترجم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصہ سننا اور سنانا انسانی فطرت ہے۔ آپ چھوٹے بچوں کو دیکھ لیں بچے فطرت کے امین ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچے کبھی بھی گہری منطقی و فلسفی بحث سننا پسند نہیں کرتے لیکن وہ قصہ بڑے غور اور پورے شوق سے سنتے ہیں۔

معلمین اخلاق نے انسان کی اس جبلّت سے ہر دور میں فائدہ اٹھایا اور انہوں نے بگڑے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے ہمیشہ قصوں کا سہارا لیا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے بہت سے قصے طبع زاد اور ایجاد بندہ ہوتے ہیں۔

ذمہ دار علماء نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اخلاقیات کو اجاگر کرنے کے لئے سچی داستانیں بیان کی جائیں اور ایسے ہی علماء میں آیت اللہ شہید محراب السید عبدالحسین دستغیب شیرازی نہ صرف شامل ہیں بلکہ آپ ایسے علماء کی صف اول میں دکھائی دیتے ہیں۔

آپ نے اپنی پوری زندگی اپنے دل نشین مواعظ سے لوگوں کی رہبری کی اور آپ اپنے مواعظ میں موقع محل کی مناسبت سے کوئی نہ کوئی خوبصورت واقعہ بیان کرتے تھے۔ اسی لئے آپ کا وعظ کسی زاہد خشک کی گفتگو نہیں رہتا تھا۔ اس میں عوام

الناس کی دلچسپی کا بڑا سامان پایا جاتا تھا۔اسی لئے آپ کے حلقہ درس میں ہزاروں افراد شامل ہوتے تھے۔آپ اپنے وعظ کو موثر بنانے کے لیے واقعات و حکایات بیان کیا کرتے تھے۔

مولانا رومی اور آپ میں یہ فرق تھا کہ مولانا رومی آغاز داستان سے کرتے تھے اور اس کے بعد علمی مطالب بیان کرتے تھے۔ جبکہ شہید محراب ابتدا میں قرآن و حدیث کی علمی بحث کرتے تھے اور اس بحث کو جاندار بنانے کے لئے تاریخی واقعات بیان کرتے تھے۔

ابھی کچھ عرصے قبل شہید محراب کی ایک کتاب ''کشکول دستغیب'' کا اردو زبان میں ترجمہ شائع ہوا ہے جس کا ترجمہ حقیر نے کیا تھا۔

اس کے بعد ایک مخلص دوست نے میرے پاس قصص الشہید نامی کتاب ارسال فرمائی۔

یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ فارسی سے اسے محترم ''مظفر زنکنۃ'' نے عربی زبان میں ڈھالا ہے۔اور عرب قارئین کے لئے اس دلچسپ کتاب کو موسستہ البلاغ بیروت نے شائع کیا ہے۔

کتاب ہذا دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں ''کشکول دستغیب'' کی ہی حکایت مرقوم ہیں اس لئے ہم نے اس کے پہلے حصہ کا ترجمہ مناسب نہیں سمجھا۔ ہم یہاں کتاب کے صرف دوسرے حصہ کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ پہلے حصہ کا ترجمہ نہ صرف تحصیل حاصل بلکہ وقت کا ضیاع تھا اسی لئے ہم اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

کتاب کے آغاز سے قبل میں اپنے محترم قارئین سے پھر گزارش کرتا ہوں

کہ وہ اس کتاب کو اردو ادب کی بلند پایہ کتاب کے طور پر نہ پڑھیں کیونکہ بندہ کی اردو ''اردوئے معلیٰ'' کی بجائے ''اردوئے محلہ'' ہے۔

اس کے ساتھ میں اپنے محترم قارئین کو یہ یقین بھی کرانا چاہتا ہوں کہ کتاب میں جتنی غلطیاں ہوتی ہیں وہ سب ہماری نہیں ہوتیں۔ اس کارِ خیر میں کاتب اور نظر ثانی کرنے والے حضرات بھی شامل ہوتے ہیں۔

بعض اوقات تو بہت سی غلطیوں سے ہمارا دامن اتنا، ہی پاک ہوتا ہے جتنا کہ بھیڑیئے کا دامن خونِ یوسفؑ سے پاک تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ شہید محراب کو جنت میں بلند۔۔۔ عطا فرمائے اور ہماری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور وہ اس کتاب کو لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور ہماری اور ہمارے والدین کی مغفرت کا وسیلہ قرار دے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محمد حسن جعفری

خلیفہ کی نماز

حکمران طبقہ نے بنتِ پیغمبر ﷺ سے ان کی جاگیر فدک چھین لی۔ جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ ان کے والد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہبہ کردہ جائیداد پر حکومت نے قبضہ کرلیا ہے تو آپ نے مسجد نبوی میں پردہ لگوایا اور آپ اپنے حق کی بازیابی کے لئے مسجد میں تشریف لے گئیں۔ آپ نے وہاں ایک عظیم القدر اور تاریخ ساز خطبہ دیا۔

آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی اور توحید خداوندی کے دلائل دیئے اور احکام اسلام کے علل واسباب بیان فرمائے۔ پھر آپ نے موضوع فدک پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام لوگ اس بات سے باخبر ہیں کہ میرے والد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک مجھے ہبہ کیا تھا اور یہ علاقہ میرے قبضہ میں تھا۔ خلیفہ نے میری جائیداد پر قبضہ کیوں کیا؟

اس کے جواب میں تخت اقتدار پر بیٹھے ہوئے شخص نے بی بی سے کہا کہ اگر فدک پر آپ کا حق ہے تو پھر آپ اس کے لئے گواہ پیش کریں۔

حضرت سیدہؑ سے گواہوں کا مطالبہ غیر اصولی تھا۔ کیونکہ فدک حضرت سیدہؑ کے قبضے میں تھا اور حاکم نے زبردستی اس پر قبضہ کیا تھا۔ اصول کے تحت خلیفہ کو گواہ پیش کرنے چاہئے تھے لیکن خلیفہ کی عدالت کا اصول ملاحظہ کریں کہ خود گواہ پیش کرنے کی بجائے الٹا حضرت سیدہؑ سے گواہی کا مطالبہ کیا۔

خلیفہ کے سامنے حجت کے لئے حضرت سیدہؑ نے پانچ گواہ پیش کیے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ۲۔ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام ۳۔ حضرت حسین علیہ السلام

۴۔حضرت ام ایمنؓ یہ وہ خاتون تھیں جن کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ ۵۔اسماء بنت عمیسؓ

الغرض پانچوں گواہوں نے خلیفہ کے سامنے گواہی دی کہ فدک حضرت سیدہ کی ملکیت ہے۔

خلیفہ کے قریبی ساتھی نے اس گواہی کو قبول کرنے سے انکار کیا اور یہ عذر لنگ پیش کیا کہ علیؑ کی گواہی اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اس سے انہیں ذاتی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور حسنؑ و حسینؑ یہ دونوں چھوٹے بچے ہیں۔باقی رہی دو عورتوں کی گواہی تو اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے جب کہ ہمیں تو دو گواہوں کی ضرورت ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کرنا خلاف قران ہے اور آپ نے خلیفہ سے کہا کہ فرض کرو اگر دو افراد تمہارے پاس یہ گواہی دیں کہ بنت پیغمبرؐ نے کوئی غلطی کی ہے تو کیا تم ان کی گواہی کو قبول کرلو گے؟

اس نے کہا: جی ہاں میں گواہی قبول کروں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تو قران کا منکر قرار پاؤ گے کیونکہ اللہ نے قران مجید میں بنتِ پیغمبرؐ کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا'' (الاحزاب ۳۳)

ترجمہ: اے اہل بیت! اللہ کا تو بس یہی ارادہ ہے کہ وہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی دور رکھے اور تمہیں اس طرح سے پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔

اور اس سے زیادہ انکار قران اور کیا ہوسکتا ہے کہ دو افراد کی گواہی کو مان لیا

جائے لیکن اللہ کی گواہی کو ٹھکرا دیا جائے؟

حضرت سیدہؑ کے خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تمام صحابی زار و قطار رونے لگے۔ یوں حکومت کے فیصلے سے مجلس ختم ہوئی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ کے دونوں سیاسی حریف اکٹھے بیٹھے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ آج ہمیں علیؑ نے کتنا رُسوا کیا۔ سوچو اس کا کیا علاج کیا جائے؟

ساتھی نے کہا کہ اس کا بس ایک ہی علاج ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

خلیفہ نے کہا: مگر یہ سوچو کہ اسے قتل کرے گا کون؟

ساتھی نے کہا: اس کام کے لئے خالد بن ولید انتہائی موزوں ہے۔

پھر انھوں نے خالد کو اپنے پاس طلب کیا اور اس سے کہا کہ کل جب میں نماز فجر پڑھاؤں اور علیؑ بھی مسجد میں موجود ہوں جیسے ہی سلام پھیروں تو تم فوراً علی کو مار ڈالنا۔

اس گفتگو کو خلیفہ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے سن لیا جو امام علیؑ کے شیعوں میں تھیں۔ انہوں نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ تم علیؑ کے سامنے جاؤ اور ان کے سامنے یہ آیت پڑھو۔

"ان الملاء یاتمرون بک ان یقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین" (القصص آیت ۲۰)۔

ترجمہ: حکام آپ کو قتل کرنے کی سازش کرر ہے ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں،

جاری کروں گا۔

حضرت حرہؓ نے کہا:

۱۔ سنو! قران مجید یہ گواہی دیتا ہے کہ خدا نے حضرت آدم وحوا سے کہا تھا ''ولا تقربا ھذہ الشجرۃ '' (البقرہ۔۳۵)۔تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدمؑ شجرہ ممنوعہ کے پاس گئے تھے اوراس کا ثمر کھایا تھا۔

اب خدارا تم ہی بتا دو کہ اللہ نے علیؑ کو کسی چیز سے منع کیا ہو اور علیؑ نے خدا کے حکم پر عمل نہ کیا ہو؟ اور اگر کوئی واقعہ تمہارے ذہن میں ہے تو تم بیان کرو۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام جلیل القدر نبی تھے لیکن قران مجید یہ گواہی دیتا ہے کہ ان کی اور حضرت لوطؑ کی بیویاں خائنہ تھیں جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔ ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأۃ نوح و امرأۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا ھما۔۔۔(تحریم۔۱۰)

ترجمہ: اللہ کافروں کے لئے نوحؑ اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی بیویاں تھیں انہوں نے ان سے خیانت کی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی خائنہ تھی جب کہ علیؑ کی زوجہ حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں جن کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

۳۔ قران مجید میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ خدا مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔

اللہ نے ان سے فرمایا تھا: اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔(البقرہ۔۲۶۰)

ترجمہ: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا: کیوں نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان مل جائے۔

۴۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین.

ترجمہ: اور اس طرح سے ہم ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کی بادشاہت دکھلاتے رہے تاکہ اس کے یقین میں اضافہ ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو یقین کے اضافہ کے لیے ارض وسما کی بادشاہت دیکھنے کی احتیاج تھی جب کہ حضرت علیؑ یقین کے اس بلند ترین مقام پر فائز تھے کہ انہوں نے خود کہا تھا. "لو کشف الغطاء ماازددت یقینا" ترجمہ: اگر حجاب اٹھا دیئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یقین کے آخری درجہ پر فائز تھے جس میں کسی اضافہ کی گنجائش موجود نہیں تھی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر حضرت موسیٰ سے گفتگو کی۔ اللہ نے ان سے فرمایا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اور اسے جا کر تبلیغ کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا: "رب انی قتلت منھم نفسا فاخاف ان یقتلون ۔(القصص۔۳۳)۔ ترجمہ: پروردگار! میں نے ان کی قوم کے ایک شخص کو قتل کیا تھا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے کہیں قتل ہی نہ کر دیں۔

آیت مجیدہ سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کو اپنے قتل کئے جانے کا خطرہ تھا اسی لئے انہوں نے بارگاہ احدیت میں اس خدشہ کا اظہار کیا تھا۔

۶۔ جب کفار مکہ نے طے کیا کہ وہ سارے مل کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں اللہ نے اپنے حبیب کو ان کے منصوبہ کی خبر دی اور اللہ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا: یہاں گھر میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے کیا تم میرے بستر پر سوؤ گے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیوں نہیں، میں آپ پر اپنی جان قربان کروں گا۔

حضرت علیؑ بے خوف ہو کر نبی اکرمؐ کے بستر پر پوری رات سوتے رہے۔

۷۔ آؤ ذرا حضرت مریمؑ اور عیسیٰؑ کا حال بھی دیکھ لو۔ حضرت مریمؑ مسجد اقصیٰ کے ایک حجرہ میں رہتی تھیں جب حضرت عیسیٰ کی ولادت کا وقت ہوا تو انہیں یہ آواز سنائی دی کہ مسجد چھوڑ کر باہر چلی جاؤ۔

حضرت مریمؑ نے وہ حجرہ چھوڑا اور باہر کھجور کے جھنڈ میں آئیں اور وہاں پر حضرت عیسیٰؑ کو جنم دیا۔ لیکن کیا کہنے حضرت علیؑ اور ان کی ماں کی عظمت کے جب حضرت علیؑ کی ولادت کا وقت آیا تو ان کی والدہ فاطمہؓ بنت اسد دعا کے لئے کعبہ گئیں اور غلاف کعبہ کو تھام کر خدا کو اپنے فرزند کا واسطہ دیا تو اُسی وقت دیوار کعبہ میں شگاف ہو گیا، بنت اسد کعبہ میں گئیں جہاں انہوں نے حضرت علیؑ کو جنم دیا۔

جب حجاج نے حرہؒ کی زبانی حضرت علیؑ کے یہ فضائل سنے تو وہ حیران و پریشان رہ گیا۔ اس نے حرہؒ کا احترام کیا اور انہیں بہت سے تحفے تحائف دے کر روانہ کیا۔ (۳)

احترامِ مہمان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا مہمان ہوا۔ آپؑ نے اٹھ کر مہمانوں کا استقبال کیا، انہیں صدر مجلس میں جگہ دی اور خود ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے مہمانوں کے سامنے طعام رکھوایا۔ جب مہمان کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو آپؑ نے اپنے غلام قنبر سے فرمایا: قنبر! تولیہ لاؤ اور لوٹے میں پانی لاؤ۔

قنبر دونوں چیزیں لے آئے۔ آپ نے پانی کا لوٹا لیا اور ان میں سے جو باپ تھا اس کے ہاتھ دھلانے کا ارادہ کیا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ مولا! آپ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ہیں آپ میرے ہاتھ نہ دھلائیں۔ لیکن آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں تم ہمارے مہمان ہو۔ میں ہی تمہارے ہاتھ دھلاؤں گا۔

جب آپ اس کے ہاتھ دھلا چکے تو آپ نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہؒ سے کہا: بیٹا! اگر یہ بیٹا اکیلا میرے ہاں مہمان ہوتا تو اس کے ہاتھ بھی میں خود دھلاتا لیکن خدا نہیں چاہتا کہ باپ بیٹے دونوں یکساں ہوں۔ میں نے باپ کے ہاتھ دھلائے ہیں تم اس کے بیٹے کے ہاتھ دھلاؤ۔ (۴)

قسیم النار و الجنۃ

''اعمش'' دوسری صدی ہجری کے مشہور مفسر و محدث تھے۔ وہ بیمار ہوئے اور بیماری نے اتنا زور پکڑا کہ موت یقینی دکھائی دینے لگی۔

کوفہ کے قاضی القضاۃ اور ابوحنیفہ نے ان کی بیماری کا سنا تو وہ ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر آئے۔

ابوحنیفہ نے ان سے کہا کہ کیسی گزر رہی ہے؟

اعمش نے کہا: بس چراغِ سحر ہوں بجھنے کو ہوں اور افسوس اس بات کا ہے کہ زندگی میں کوئی خاص نیک اعمال نہ بجالایا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔

ابوحنیفہ نے کہا: تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہو اور اس لمحہ میں تمہیں اپنے گناہانِ کبیرہ یاد آرہے ہیں۔ تم نے زندگی میں سب سے بڑا گناہ یہ کیا کہ تم علیؑ اور اس کے خاندان کی مدح سرائی کرتے رہے۔ اب بھی وقت ہے توبہ کرلو تاکہ خدا تمہارے گناہ معاف کردے اور تم پر اپنی رحمت کا نزول کرے۔

اعمش نے کہا: یہ بتاؤ میں نے علیؑ کے متعلق کون سی غلط بیانی کی تھی؟

ابوحنیفہ نے کہا: تم نے یہ بیان کیا تھا کہ علی قسیم النار والجنۃ ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور غلط بیانی کیا ہوسکتی ہے؟

اعمش نے اپنے اہل خانہ سے کہا کہ مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ۔ انہوں نے سہارا دے کر بٹھایا تو اعمش نے ابوحنیفہ سے کہا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کی طرف مجھے جانا ہے میں نے ثقہ راویوں کی

زبانی سنا انہوں نے کہا تھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"یا علی انت قسیم النار والجنة غداًیوم القیامة، تقول لها: هذالک فخذیه وهذالی فذریه".

علی! کل تو قیامت کے دن جنت ودوزخ کو تقسیم کرے گا۔ تو دوزخ سے کہے گا کہ یہ تیرا ہے اسے پکڑ لے اور یہ میرا ہے اس چھوڑ دے"۔ (۵)

﴿ہم بھی امیر المومنین علیہ السلام کی بارگاہ میں بعد اخلاص یہ عرض کرتے ہیں "یـا وجیهـا عندالله اشفع لنا عند الله"

اے بارگاہ خداوندی میں وجاہت رکھنے والے! خدا کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں۔﴾

عبد امیر المومنین علیہ السلام

صفوی حکومت کے دور میں ایک شخص سے کوئی جرم سرزد ہو گیا، حکومت کی سزا سے بچنے کے لیے وہ نجف اشرف بھاگ گیا اور حرم امیر المومنینؑ میں پناہ لے لی۔

اس نے اس دور کے مشہور عالم دین "مقدس اردبیلی" سے درخواست کی کہ وہ شاہ عباس صفوی کے نام خط تحریر کریں اور اس سے یہ سفارش کریں کہ وہ میرا جرم معاف کر دے اور مجھے سزا نہ دے یا اگر وہ ہر قیمت پر سزا دینے پر مصر ہو تو کم از کم سزا دے۔

حضرت مقدس اردبیلی نے شاہ عباس صفوی کو خط لکھا جس میں انہوں نے

محبت علی علیہ السّلام کی جزا

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" لو اجتمع الناس علی حب علی لماخلق الله النار"

اگر تمام لوگ علیؑ سے محبت پر ایکا کر لیتے تو خدا دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کے باہر اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ چار سیاہ فام غلام ایک تابوت اٹھا کر قبرستان کی طرف جا رہے ہیں۔

آپؐ نے انہیں اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تابوت لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تابوت رکھ دو۔

تابوت رکھا گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا اور حضرت علیؑ سے فرمایا: یہ بنی نجّار کا غلام "رباح" ہے۔ (۷)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہ غلام جب بھی مجھے دیکھتا تھا تو بہت خوش ہوتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنا تو آپ نے فرمایا کہ اسے از سر نو غسل دیا جائے۔ غسل کے بعد آنحضرتؐ نے اسے اپنی چادر کا کفن پہنایا اور اس کے جنازہ کی مشایعت کے لئے جنازہ کے پیچھے چل پڑے۔

جنازہ ابھی راستے میں تھا کہ لوگوں کو آسمان سے عجیب آوازیں سنائی دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ آوازیں ان ستر ہزار فرشتوں کی ہیں جو اس غلام

کے جنازہ کی مشایعت کے لئے آرہے ہیں۔

بعد ازاں آنحضرتؐ نے خود اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا اور اسے دفن کیا۔ دفن سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ علیؑ! اس سیاہ فام غلام کو جنت کی جتنی بھی نعمتیں حاصل ہوں گی وہ صرف تمہاری محبت کی وجہ سے حاصل ہوں گی۔(۸)

علی علیہ السلام پر اللہ فخر ومباہات کرتا ہے

شب ہجرت حضرت علی علیہ السلام رسول خدا کو بچانے کے لئے آپ کے بستر پر سوئے تھے۔ جب آپ بے خوف ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوئے تو اس وقت خدا کی طرف سے جبریلؑ ومیکائیلؑ کو ایک صدا سنائی دی۔ اس صدا کے بارے میں غزالی سمیت شیعہ وسنی علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

غزالی نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں لکھا ہے کہ خدا نے جبریلؑ و میکائیلؑ کو صدا دے کر فرمایا: میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے لیکن تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے کم ہے۔ تو کیا تم میں سے لمبی عمر والا اپنی عمر کا کچھ حصہ کم عمر والے کو دینے پر آمادہ ہے؟

خداوند عالم کی یہ ندا سن کر دونوں فرشتے خاموش رہے۔ اس وقت انہیں دوبارہ یہ ندائے قدرت سنائی دی۔ ''تم محمدؐ وعلیؑ کی مانند کیوں نہیں بنے ان دونوں کے درمیان عقد اخوت قائم ہے۔ اب خود اپنی آنکھوں سے دیکھو محمدؐ ہجرت کر چکے ہیں اور

علیؑ ان کی جان بچانے کے لئے ان کے بستر پر سویا ہوا ہے''۔

کفار ساری رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے گرد پہرا دیتے رہے صبح کے قریب وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے چادر ہٹائی تو دیکھا کہ نبیؐ کی جگہ علیؑ سوئے ہوئے ہیں۔

ابوجہل نے حضرت علیؑ سے کہا: تم نے اپنے چچا زاد کے ساتھ کیا کیا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا تم نے انہیں میرے سپرد کیا تھا کہ مجھ سے لینے آئے ہو؟

ان کافروں میں سے ایک نے کہا: (اگر محمدؐ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں) ہمیں چاہیے کہ محمدؐ کی جگہ علی کو قتل کر دیں۔

ابوجہل نے کہا: نہیں ایسا مت کرو۔ یہ ابھی کم سن ہے اور ابھی اس کے پاس مضبوط عقل نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ابوجہل سے فرمایا: اللہ نے مجھے اتنی عقل دی ہے کہ اگر میں اسے تمام انسانوں میں تقسیم کر دوں تو دنیا میں کوئی شخص پاگل نہ رہے اور خدا نے مجھے اتنی قوت دی ہے اگر میں اسے سارے جہاں میں تقسیم کروں تو کوئی شخص کمزور نہ رہے۔

ایک کافر نے تلوار بلند کر کے حضرت علی علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپؑ نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جھٹکا دیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور وہ شخص شیر خداؑ کی ہیبت سے لرزتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا اور تیزی سے بھاگ گئے۔ (۹)

ایک رہبر کو سادہ زندگی بسر کرنی چاہیے

علاء بن زیاد الحارثی امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھے۔ وہ بصرہ میں رہائش پذیر تھے۔ بصرہ میں ان کے پاس ایک وسیع عریض اور خوبصورت مکان تھا۔

ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امیر المومنین علیہ السلام ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جب آپؑ نے ان کا وسیع وعریض مکان دیکھا تو آپ نے ان سے فرمایا:

علاء! تو دنیا میں اتنا بڑا گھر بنا کر اس سے کیا حاصل کرے گا؟ جب کہ تجھے تو آخرت میں اس کی ضرورت تھی۔

بہر حال اب اگر تو نے یہ گھر بنا ہی لیا ہے تو پھر اس میں لوگوں کی مہمان نوازی کر اور اپنے رشتہ داروں کو اس میں دعوتیں دے اور حقوق شرعیہ ادا کر۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تیرا یہ گھر تیرے لئے آخرت میں نجات کا ذریعہ ثابت ہوگا ورنہ یہ مکان تجھے آتش دوزخ میں جلانے کا موجب بنے گا۔

علاء نے کہا: امیر المومنین! میں آپ کی خدمت میں اپنے بھائی عاصم کی شکایت کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا: اسے کیا ہوا؟

علاء نے کہا: اس نے دنیا چھوڑ دی ہے اور وہ جھوٹا موٹا لباس پہننے لگا اور دنیا ومافیھا سے اس نے منہ موڑ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ جب وہ یا تو آپ نے اس سے فرمایا: اے اپنی جان کے دشمن! تمہیں شیطان خبیث نے بہکا دیا ہے۔ تمہیں اپنی آل

اولاد پر ترس نہیں آتا؟ اور کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال کیا ہے، اگر تم نے انہیں کھایا اور برتا تو اسے ناگوار گزرے گا؟ تم اللہ کی نظروں میں اس سے کہیں زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لئے یہ چاہے؟

اس نے کہا: امیر المومنینؑ! آپ کا پہناوا بھی تو موٹا جھوٹا اور کھانا روکھا سوکھا ہوتا ہے اور آپ ہمارے قائد ہیں اور میں نے تمام معاملات میں آپ ہی کی پیروی کی ہے۔

حضرت نے فرمایا: تم پر حیف ہے میں تمہارے جیسا نہیں ہوں خدا نے ائمہ حق پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ اپنے کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تا کہ مفلوک الحال افراد اپنے فقر کی وجہ سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں (۱۰)

برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے

ایک فقیہ عالم کا بیان ہے کہ ایک رات مجھے خواب میں حضرت امیر المومنینؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے عالمِ خواب میں آپ سے عرض کیا: ''قریش اور بنی امیہ نے آپ کو مکہ میں بہت زیادہ اذیتیں پہنچائی تھیں انہوں نے آپ کے لیے روٹی پانی تک بند کر دی تھی اور انہوں نے آپ حضرات کا قدم قدم پر مذاق اڑایا تھا جس کی وجہ سے آپ کو مجبور ہو کر مدینہ ہجرت کرنا پڑی تھی۔ لیکن آپ کی ہجرت کے بعد بھی قریش کا ظلم جاری رہا، انہوں نے آپ سے خونریز جنگیں کیں اور آپ کے

بزرگوں کو شہید کیا۔

پھر جب اللہ نے آپ کو موقع دیا اور آپ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان سے ان کی زیادتیوں کا کوئی بدلہ نہ لیا اور آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اسے بھی امان ہے۔آپ کی اس دریا دلی نے بھی ان پر کوئی اثر نہ کیا بلکہ ان کی جسارتیں مزید بڑھ گئیں اور انہوں نے آپ کے فرزند امام حسینؑ کو کربلا میں شہید کر دیا!!

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے اس سلسلے میں ''ابن صیفی'' کے اشعار سنے ہیں؟

میں نے عرض کیا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: تو جا کر اس سے وہ اشعار سنو۔

میں جیسے ہی نیند سے بیدار ہوا تو سیدھا ''ابن صیفی'' شاعر کے گھر گیا اور میں نے اس سے اپنا یہ خواب بیان کیا۔

''ابن صیفی'' نے جیسے ہی یہ خواب سنا تو وہ بے ساختہ رونے لگا اور اس نے کہا: خدا کی قسم! میں نے یہ اشعار آج رات ہی لکھے ہیں ابھی تک میں نے یہ اشعار کسی کو سنائے نہیں ہیں اور کسی کو بھی ان اشعار کی خبر نہیں ہے۔

پھر اس نے اپنے یہ اشعار سنائے۔

حـــلَـلتـــم قتــل الاســـارىٰ

وطـالـمـا عن الاسرى نعفّ ونصفح

مـلـكـنـا فـكــان الـعـفـومنـا سجيـةً

فلما ملكتم سال بالدم ابطح

فحسبكم هذا التفاوت بيننا

فكل اناءٍ بالذی فیه ینضح

تم نے قیدیوں کوقتل کرنا جائز قرار دیا۔

جب کہ ہم تو ہمیشہ قیدیوں کو معاف کرتے تھے اوران سے درگزر کرتے تھے۔

جب ہماری حکومت بنی تو ہم نے عفوودرگذر کی عادت کواپنایا اور جب تمہاری حکومت قائم ہوئی تو خون کے دریا بہنے لگے۔

ہمارے اور تمہارے درمیان یہی فرق کافی ہے۔ کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔(۱۱)

محبت علی علیہ السلام سے بینائی کا ملنا

اعمش ایک مشہور محدث و مفسّر تھے۔انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حج پر جارہا تھا۔ ایک صحرا سے میرا گزر ہوا وہاں مجھے ایک اندھی خاتون بیٹھی ہوئی دکھائی دی جو زور زور سے یہ کہہ رہی تھی: "پروردگار! تجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حق کا واسطہ میری بینائی مجھے واپس کردے"۔

میں اس خاتون کے قریب گیا اور اس سے کہا کہ آپ یہ کیسی دعا مانگ رہی ہیں۔ محمدؐ وآلِ محمدؐ کا اللہ پر کیا حق ہے؟ اس کے برعکس اللہ کا محمدؐ و آلِ محمدؐ پر حق ہے۔

خاتون نے جواب میں کہا: معلوم ہوتا ہے تجھے مقامِ محمدؐ کی معرفت حاصل نہیں ہے۔ کیا

تجھے یہ علم نہیں ہے کہ اللہ نے ان کی زندگی کی قسم کھائی ہے؟

میں نے کہا: اللہ نے ان کی زندگی کی قسم کس آیت میں کھائی ہے؟

خاتون نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قران حکیم میں فرمایا: ''لعمرك انهم لفی سکر تهم یعمهون ''(الحجر۔۷۲)۔ترجمہ: آپ کی زندگی کی قسم وہ اپنے نشہ میں مدہوش تھے۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کو پیارے نہ ہوتے تو وہ ان کی زندگی کی قسم نہ کھاتا۔ خاتون کا جواب اتنا جاندار تھا کہ میں اس کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں خاموش ہو کر وہاں سے چلا آیا اور مناسک حج انجام دیئے۔

واپسی پر جب میں اسی جگہ سے گزرا تو وہ خاتون وہیں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی بینائی لوٹ آئی تھی اور وہ لوگوں کو دیکھ کر یہ کہتی تھی: لوگو! علیؑ بن ابی طالبؑ سے محبت رکھو۔علیؑ کی محبت تمہیں دوزخ سے نجات دلائے گی۔

میں اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا: کیا آپ وہی خاتون ہیں جو پہلے یہاں بیٹھی ہوئی تھیں اور خدا کو محمدؐ وآلِ محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر بینائی طلب کر رہی تھیں؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں میں وہی ہوں۔

میں نے کہا: آپ کو بینائی کیسے ملی؟

اس نے کہا: مجھے علیؑ بن ابی طالبؑ کی محبت نے بینائی دلائی ہے۔

میں نے اس سے کہا: آپ اس واقعہ کی تفصیل بیان کریں۔

خاتون نے کہا: تم نے مجھے دیکھا تھا کہ میں نابینا ہو گئی تھی اور خدا کو محمدؐ وآلِ محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر بینائی کا سوال کرتی تھی۔ ایک دن ایک ہاتف غیبی کی مجھے

صدا سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا:

تو اپنے توسل میں سچی ہے اور تو نے جو کچھ بھی کہا ہے دل کی گہرائیوں سے کہا ہے، اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ پھر ہاتھ اٹھا لے۔ میں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے کچھ لمحات کے بعد میں نے ہاتھ اٹھائے تو میں بالکل بینا ہو گئی تھی اور مجھے ارد گرد کی تمام چیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس وقت میں نے کہا: پروردگارؐ! تجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حق کا واسطہ مجھے وہ شخص دکھا جس نے مجھے بینائی واپس کی ہے۔ پھر میں نے کہا: اے ہاتف! تجھے خدا کا واسطہ، مجھے اپنا دیدار کرا۔

اچانک وہ شخص میرے سامنے آیا اور مجھ سے کہا: بی بی! میں حضرت علیؑ کا خادم خضر ہوں۔ تیرے لئے امیر المومنینؑ سے محبت رکھنا ضروری ہے کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی محبتِ علیؑ میں مضمر ہے۔

پھر انہوں نے مجھ سے کہا:

بی بی یہاں بیٹھ جاؤ جب حجاج یہاں سے گزریں تو ان کو بھی محبتِ علیؑ کا پیغام دو۔

جی ہاں باطنی آنکھ محبت علیؑ کی اہمیت کو محسوس کر سکتی ہے اور باطنی آنکھ ظاہری آنکھ سے کہیں زیادہ دیکھنے والی ہے۔

کسی مردہ کا جی اٹھنا ایک معجزہ ضرور ہے لیکن اعجاز مسیحا سے زندہ ہونے والا پھر مر سکتا ہے لیکن علیؑ کی محبت ابدی حیات ہے۔ موت عروج روح کا نقطۂ آغاز ہے۔ موت سے علیؑ کے محبّ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ موت کے بعد ملائکہ مومن کی روح کو ایک گلدستہ کی شکل میں ملکوت اعلیٰ میں لے جاتے ہیں۔ (۱۲)

حقِ رفاقت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک ذمّی کے ساتھ سفر کیا۔ ذمّی نے آپؑ سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں کوفہ جا رہا ہوں۔

بہرنوع دونوں ساتھ مل کر سفر کرتے رہے۔ راستے میں اس ذمّی نے آپ کا حسنِ سلوک دیکھا تو آپؑ کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ سفر کرتے ہوئے دونوں ساتھی اس جگہ پر پہنچے جہاں سے ذمّی کے گاؤں کا راستہ کوفہ کی شاہراہ سے جدا ہوتا تھا۔

ذمّی نے کوفہ کی شاہراہ کو چھوڑا اور اپنے گاؤں کے راستے پر چلنے لگا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کا ساتھی بھی اس کے ساتھ اس کے گاؤں کے راستے پر چل رہا ہے۔

ذمّی نے کہا: جناب! آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کو کوفہ جانا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بالکل صحیح ہے مجھے کوفہ ہی جانا ہے۔

ذمّی نے کہا: تو پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ راستہ کوفہ نہیں جاتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، مجھے بھی علم ہے کہ یہ راستہ کوفہ نہیں جاتا۔

ذمّی نے کہا: جب آپ یہ بات جانتے ہیں تو پھر آپ نے کوفہ کی شاہراہ کو کیوں خیر باد کہا ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم کسی کے ساتھ سفر کرو تو جب اس کا راستہ تم سے جدا ہو تو کچھ دیر تک اس کے

ساتھ چلتے رہو۔ چنانچہ میں بھی اپنے نبیؐ کے فرمان پر عمل کر رہا ہوں۔ میں کچھ دیر تمہارے ساتھ چل کر تمہیں الوداع کہوں گا۔

ذمّی نے کہا: کیا واقعی آپ کے نبی نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بے شک ہمارے نبیؐ نے ہمیں یہ حکم دیا تھا۔ جب ذمّی نے یہ سنا تو اس نے کہا: پھر تو بے شک آپ کے نبی ایک عظیم نبی تھے اور میں بھی آپ کے سامنے یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کے دین پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کے نبیؐ کی نبوت کا اقرار کرتا ہوں۔

پھر وہ ذمّی اپنے گھر نہ گیا اور آپؑ کے ساتھ کوفہ کی طرف چل پڑا۔ جب آپؑ کوفہ پہنچے تو لوگوں نے آپ کو امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کیا۔ اس وقت ذمّی کو معلوم ہوا کہ اس کا رفیقِ سفر کوئی عام انسان نہیں بلکہ وہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ہے۔

امامؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اسلامی احکام کی تعلیم دو۔

آپؑ کے ساتھیوں نے اسے احکامِ اسلام کی تعلیم دی اور وہ شخص بعد میں اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ (۱۳)

تواضع

سعید بن قیس ہمدانیؒ حضرت امیر المومنینؑ کے ایک پیروکار تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ سخت گرمی کے دن تھے اور دوپہر ڈھل رہی تھی۔ اس وقت میں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ایک دیوار کے سائے میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے آپ سے عرض

کیا: مولاؑ! آپؑ اس چلچلاتی دھوپ اور شدید گرمی میں یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میں اس لئے یہاں بیٹھا ہوں کہ کسی مظلوم کی فریاد رسی کرسکوں یا کسی مصیبت زدہ کے کام آسکوں۔

اتنے میں ایک عورت روتی ہوئی آپؑ کے پاس آئی اور اس نے کہا: امیرالمومنینؑ! میرے شوہر نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور وہ قسم کھا چکا ہے کہ وہ مجھے بہت زیادہ پیٹے گا۔ آپؑ مہربانی فرما کر میرے ساتھ اس کے پاس چلیں اور اسے ہدایت کریں۔

امیرالمومنینؑ نے چند لمحات تک سر جھکائے رکھا پھر آپؑ نے سر اٹھا کر فرمایا: ''خدا کی قسم! میں مظلوم کو اس کا حق دلا کر رہوں گا''۔ پھر آپؑ نے اس خاتون سے پوچھا کہ تیرا گھر کہاں ہے؟

عورت نے اپنے گھر کا پتہ آپؑ کو بتایا۔

آپؑ اٹھ کر چل پڑے اور عورت آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ امام علیہ السلام اس کے دروازے پر پہنچے اور دستک دی۔

دستک کے جواب میں ایک جوان نے دروازہ کھولا۔ آپؑ نے اسے بڑی محبت اور پیار سے سلام کیا اور پھر فرمایا: بندۂ خدا! تو نے اپنی بیوی پر کیوں ظلم کیا اور اسے گھر سے باہر کیوں نکال دیا؟ خدا کا خوف کر اور بیوی کو گھر میں پیار و محبت سے بسا۔

جوان آپؑ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس نے جسارت کرتے ہوئے کہا: ہمارے معاملات میں آپؑ کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپؑ نے دوبارہ بڑے

پیار اور شائستگی سے اسے سمجھایا لیکن جوان پر آپؑ کی نرم گفتگو کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے کہا: اچھا اگر آپؑ اس کے سفارشی بن کر آئے ہیں تو پھر سن لیں میں اسے آگ میں جلاؤں گا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے محسوس کیا کہ یہ جوان بصیرت سے تہی دامن ہے اور وہ نرم و نازک گفتگو سے متاثر ہونے والا نہیں ہے۔ آپؑ نے اپنی تلوار علم کی اور فرمایا: میں تجھے نیک بات کا حکم دیتا ہوں اور تجھے غلط راہ سے روکتا ہوں لیکن تیری سرکشی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ خدا کے حضور توبہ کر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔

جیسے ہی آپؑ کی آواز بلند ہوئی تو وہاں کے رہنے والے گھروں سے باہر نکل آئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام کھڑے ہیں تو انہوں نے جوان سے کہا: تجھے شاید معلوم نہیں ہے کہ تو اس وقت کس کے سامنے کھڑا ہے! خوب سن لے اس وقت تو وصیِ پیغمبرؐ اور خلیفۃ المسلمین کے سامنے کھڑا ہے اور یہ وہ ہیں جنہوں نے بڑے بڑے سرکشوں کو خاک و خون میں ملایا ہے۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے فاسقین کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچایا ہے اور آج تک ان کے مد مقابل آنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوا۔

جب نوجوان نے یہ سنا تو وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوا، آپؑ کے قدموں پر گر پڑا، رو رو کر آپ سے معافی کی درخواست کرنے لگا اور کہا: مولاؑ! میں نے اپنی زوجہ کو معاف کرتا ہوں اور آئندہ اسے راضی رکھنے کی بھرپور کوشش کروں گا اور اسے کبھی ناجائز تنگ نہیں کروں گا۔

امامؑ نے اسے معاف کر دیا اور تلوار نیام میں ڈال لی۔ پھر آپؑ نے عورت کو

نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: کنیز خدا! اپنے شوہر کو ناراض نہ کرنا اور ہمیشہ اس کی اطاعت کرنا تاکہ اس طرح کے ناخوشگوار واقعات کا اعادہ نہ ہو۔

آپؑ میاں بیوی کو راضی کر کے اپنے گھر تشریف لائے اور آپؑ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ خدا نے آپ کو زوجین میں مصالحت کرانے کی توفیق عطا کی۔ (۱۴)

ایک سرکاری ملازم

حدود نجف کی سرحد پر متعین ایک سرکاری ملازم نے قبر امیر المومنین علیہ السلام کے زائر کو ناحق اذیت دی اور اسے سخت مارا پیٹا۔

مار کھانے والے زائر نے اس سے کہا: میں نجف جا رہا ہوں اور امیر المومنینؑ کے پاس تیری شکایت کروں گا۔

سرکاری ملازم نے کہا: میری طرف سے تمہیں اس کی اجازت ہے۔ میں ان باتوں سے نہیں ڈرتا۔

زائر بے چارہ قبر امیر المومنین علیہ السلام پر پہنچا اور مراسم زیارت کی ادائیگی کے بعد اس نے رو رو کر اس ملازم کی شکایت کی اور عرض کیا: امیر المومنینؑ! اس نے مجھ پر ناحق ستم کیا ہے آپ اس سے میرا انتقام لیں۔

الغرض زائر دن میں دو بار مرقد مطہر پر گیا اور ہر بار اس نے آپؑ سے سرکاری ملازم کا شکوہ کیا اور اس سے بدلہ لینے کی درخواست کی۔

رات کے وقت زائر نے خواب میں ایک نورانی چہرے والے بزرگ کو

دیکھا جو گھوڑے پر سوار تھے اور انہوں نے زائر کا نام لے کر اسے پکارا۔ زائر نے کہا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔ تمہیں سرکاری ملازم سے کیا شکایت ہے۔

زائر نے عرض کیا: جی ہاں۔ اس نے مجھے آپؑ کی محبت کی وجہ سے اذیت دی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سے میرا انتقام لیں۔

آپؑ نے فرمایا: میری وجہ سے اسے معاف کر دو۔

زائر نے عرض کیا: مولاؑ! میں اسے معاف نہیں کروں گا۔

آپؑ نے تین مرتبہ یہی الفاظ کہے اور زائر نے تینوں مرتبہ معاف کرنے سے انکار کیا۔

زائر نے دوسرے دن روضہ اطہر پر اس کی پھر شکایت کی۔ اسے رات کے وقت امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور آپؑ نے اسے معاف کرنے کے لیے کہا مگر زائر نے معاف کرنے سے معذرت کی۔

الغرض تیسرا دن ہوا زائر نے مولاؑ سے اس کی شکایت کی۔ پھر رات کے وقت اسے مولا کی زیارت نصیب ہوئی اور آپؑ نے اس سے فرمایا:

اے میرے زائر! مجھے سزا دینے میں دیر نہیں لگتی لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اسے معاف کر دو کیونکہ اس نے ایک نیکی کی تھی اور میں اس کا بدلہ اسے دینا چاہتا ہوں۔ زائر نے کہا: میرے آقا یہ ملازم کون ہے اور اس نے کیا کیا ہے؟ پس امام نے اس کے باپ اور دادا کا نام لیا کہ دونوں صالح بندے تھے اور فرمایا: اس کی نیکی یہ ہے کہ ایک دن وہ شخص ''سماوہ'' کے قصبہ سے بغداد جا رہا تھا اس کی نظر میری قبر پر پڑی تو

وہ ازروئے احترام اپنے گھوڑے سے اتر پڑا تھا اور جب تک میری قبر اسے نظر آتی رہی وہ پیدل چلتا رہا۔ پس اس کا حق ہم پر ہے اور تمہیں چاہیے کہ اسے معاف کردو اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارے اس عمل کا بدلہ میں قیامت کے دن دوں گا۔ زائر خواب سے بیدار ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

الغرض وہ زائر نجف سے لوٹا تو راستہ میں سرکاری ملازم اسے ملا اور اس نے کہا: دیکھا تم نے شکایت کی ہوگی مگر مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

زائر نے کہا: ہاں! لیکن امام نے تمہارے اس تواضع اور احترام کی بناء پر تمہیں معاف کردیا جو تم نے ان کے لئے کیا تھا۔

پھر جو کچھ اس پر گزرا تھا وہ سنایا۔ جب ملازم نے جان لیا کہ زائر کا خواب سچا ہے تو اپنی جگہ سے اٹھا اور زائر کے سر اور ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا: خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سچ کہا ہے۔ پھر اس سرکاری ملازم نے صدق دل سے توبہ کی اور امام علیہ السلام کا مومن اور موالی بن گیا۔ اس زائر کی تین روز تک مہمان نوازی کی اور زیارت حرمِ امام علی علیہ السلام کے لئے زائر کے ساتھ نجف گیا اور وہاں اس نے ایک ہزار دینار فقراء میں تقسیم کئے۔ اس طرح اس شخص کی عاقبت امیر المومنینؑ کے احترام اور تواضع کی وجہ سے سنور گئی۔ (۱۵)

ایک بدزبان کا انجام

''موصل'' کے ایک شیعہ نے ہم سے یہ روایت بیان کی۔ اس نے کہا کہ میں نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو اپنے دوستوں اور ہمسایوں سے الوداع کیا اور الوداع کے لئے میں اپنے ایک ہمسائے احمد بن حمدون حارث غروی کے پاس گیا جو موصل کا ایک معزز شخص سمجھا جاتا تھا لیکن حضرت علیؑ کا مخالف تھا۔ میں رسم دنیا نبھانے کے لئے اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں حج بیت اللہ کے لئے جارہا ہوں اگر تمہیں مکہ و مدینہ سے کوئی چیز منگانی ہو تو مجھ سے کہہ دو میں بلا تکلف تمہاری چیز لے آؤں گا۔

یہ سن کر وہ گھر میں گیا اور قران مجید لے کر آیا۔ اس نے قران مجید میرے ہاتھ پر رکھا اور کہا: مجھ سے وعدہ کرو کہ جو میں کہوں اسے پورا کرو گے۔

پھر اس نے کہا: جب تم مدینہ پہنچو اور قبر رسولؐ پر جاؤ تو میری طرف سے ان سے یہ کہنا کہ کیا آپ کو اپنی صاحبزادی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے لئے علیؑ کے علاوہ اور کوئی رشتہ نہیں ملتا تھا۔ آپ کو علیؑ میں کیا دکھائی دیا تھا کہ آپ نے اسے اپنا داماد بنالیا تھا جب کہ علیؑ سر سے گنجا تھا؟

بہر حال میں اپنے شہر سے روانہ ہو کر مکہ آیا جہاں میں نے مناسک حج ادا کئے۔ پھر میں مدینہ منورہ گیا اور مسجد نبوی میں گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے سلام کیا اور میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے یہ پیغام پہنچاتے ہوئے انتہائی شرمندگی ہو رہی ہے لیکن میرے ہمسائے نے مجھ سے قران پر حلف لے کر کہا

تھا کہ میں آپ کی خدمت میں اس کا یہ پیغام پہنچاؤں۔

رات کے وقت جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور چشمِ زدن میں موصل آئے اور مجھے ساتھ لئے ہوئے میرے اس ناصبی ہمسائے کے گھر آئے۔ اس وقت وہ بستر پر پڑا سو رہا تھا۔ آپ نے چھری سے اسے ذبح کیا جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور خون آلود چھری کو اس کے لحاف سے صاف کیا جس کی وجہ سے لحاف پر دو سرخ لکیریں بن گئیں۔ پھر آپؑ نے اس کے دروازے کے اوپر والے حصہ کو اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور دروازے کے اوپر اس چھری کو رکھ دیا۔

اس کے بعد میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے اپنے قافلہ والوں کو یہ خواب سنایا اور ایک کاپی میں وہ تاریخ لکھ لی۔

جب میں سفر حج سے واپس اپنے شہر موصل پہنچا تو میں نے لوگوں سے اپنے اس ہمسائے کے متعلق پوچھا۔

لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ قتل ہو چکا ہے۔ لوگوں نے اس کے قتل کی وہی تاریخ بتائی جسے میں نے اپنی کاپی میں لکھا تھا۔

لوگوں نے بتایا کہ اس کے قاتل کا ابھی تک کوئی علم نہیں ہوا۔ پولیس نے شبہ کے تحت پڑوسیوں کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ ان سے اس کے قتل کی تفتیش کر رہی ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آؤ ہم حاکم کے پاس چلیں اور اسے اصل قصہ بتلائیں تا کہ یہ بے گناہ آزاد ہوں۔

ہم پولیس افسر کے پاس گئے اور جو میں نے خواب میں دیکھا تھا اس سے

بیان کیا۔ میرے ساتھیوں نے اس کی تصدیق کی اور خواب کی تاریخ کے بارے میں اس کو بتلایا اور انہوں نے کہا: پہلی علامت تو یہ ہے کہ آپ اس کے لحاف پر دو سرخ لکیریں پائیں گے اور دوسری یہ کہ چھری چھت کے نیچے دروازے پر رکھی ہوئی ہے پس افسر خود آیا اور اس نے دونوں علامتیں دیکھیں۔

حضرت علیؑ کے اس اعجاز سے موصل کے بہت سے لوگوں نے مذہب شیعہ اختیار کرلیا اور مقتول کے اقربا نے بھی امیر المومنینؑ کی دوستی اختیار کر لی۔(۱۶)

نادر شاہ کا عجیب خواب

زندگی کے آخری ایام میں نادر شاہ کے مزاج میں اتنی تبدیلی آ گئی تھی کہ کسی میں جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس سے بات کرے۔ اس غصے کی وجہ سے اس نے بہت سے افراد کو قتل کرا دیا تھا۔

اپنے قتل ہونے سے چند گھنٹے قبل وہ سخت غصے کی حالت میں اپنے محل میں پھر رہا تھا اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

''حسن علی'' اس کا بے تکلف دوست اور راز دان تھا۔ آخر کار حسن علی اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ خیریت تو ہے آپ اتنے پریشان کیوں ہیں اور رات میں سوئے کیوں نہیں؟

نادر شاہ نے کہا: میں تم سے راز کی بات کہتا ہوں لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ تم یہ راز کسی کو نہیں بتاؤ گے ورنہ تمہیں قتل کر دوں گا۔

جب حسن علی نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ وہ اس کے راز کو اپنے تک محدود رکھے گا اس وقت نادر شاہ نے کہا:

بادشاہ بننے سے چند سال قبل خواب میں مجھے یہ دکھائی دیا تھا کہ کچھ افراد آئے، انہوں نے مجھے بڑے احترام کے ساتھ اپنے ساتھ لیا اور، مجھے ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں بارہ امامؑ بیٹھے ہوئے تھے گویا بارہ نور تھے۔ ان میں جو بزرگ سب سے بڑے تھے انہوں نے اپنے غلاموں سے کہا کہ وہ ایک تلوار لے آئیں۔ پھر وہ تلوار میرے سپرد کی اور کہا: میں تمہیں تلوار دے کر ایران بھیج رہا ہوں تاکہ وہاں کے امور کی اصلاح کرو۔ میری طرف سے شرط یہ ہے کہ لوگوں سے اچھا سلوک کرنا۔

اس خواب کے بعد میں ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ میں حاکم بن گیا اور میں نے ہندوستان فتح کر لیا۔ لیکن آج میں سخت پریشان ہوں اور اس پریشانی کی وجہ بھی ایک خواب ہی ہے اور وہ خواب یہ ہے کہ آج سے کئی برس قبل میں نے جن غلاموں کو دیکھا تھا جو مجھے بڑے احترام کے ساتھ بارہ ائمہؑ کے حضور لے گئے تھے، آج انہی غلاموں نے سختی کے ساتھ مجھے پکڑا اور اسی جگہ لے گئے جہاں میں نے بارہ ائمہؑ کو دیکھا تھا۔ وہاں پر موجود ایک بزرگ نے مجھ سے فرمایا: تو مسلمانوں سے اس طرح کی بدسلوکی کیوں کر رہا ہے؟

پھر انہوں نے غلاموں سے فرمایا کہ اس سے تلوار واپس لے لو۔

غلاموں نے مجھ سے تلوار لے لی اور مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ اس خواب کی وجہ سے میرا آرام و سکون غارت ہو گیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھ پر کوئی بُرا وقت نہ آجائے۔

چنانچہ پھر وہی کچھ ہوا جس کا اسے خدشہ تھا۔اسی صبح اسے قتل کر دیا گیا اور جس محل کو اس نے تعمیر کیا تھا اسی محل میں اس کی لاش کو پھینک دیا گیا۔

مسجد کے دروازوں کا بند ہونا

جب مسلمانوں نے مدینہ میں مسجد بنالی اور اس کے اطراف کی دیواروں کو اونچا کر دیا تو نبی ﷺ اس میں نماز پڑھنے لگے۔ بہت سے لوگوں نے مسجد کے گرد اپنے گھر بنالیے اور انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے مسجد میں کھول دیئے۔اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں مسجد آنے میں تاخیر نہ ہو۔

حضرات ابوبکر، حمزہ اور عباس کی طرح سے بعض صحابہ نے اپنے گھروں کے دو دو دروازے بنائے تھے ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا اور دوسرا دروازہ باہر کو کھلتا تھا۔البتہ رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ کے مکانات کے دروازے صرف مسجد کی طرف سے ہی کھلتے تھے۔

ایک دن بنی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور خدا نے حکم دیا کہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں البتہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام کے گھروں کے دروازے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

آنحضرتؐ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔لیکن یہ نہ فرمایا کہ

علیؑ کا گھر اس سے مستثنیٰ ہے۔

حضرت علیؑ نے خدا اور رسولؐ کے فرمان پر سب سے پہلے عمل کیا اور آپؑ اپنا دروازہ بند کرنے لگے۔ اسی اثناء میں بنی اکرم ﷺ آپؑ کو دیکھا اور آپؑ کو دروازہ بند کرنے سے روک دیا۔

عباس بن عبدالمطلبؓ اور حضرت عمرؓ نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اپنے دروازے بند نہ کیے جب کہ کچھ اور صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم آپؐ کے فرمان پر دروازے بند کر دیتے ہیں لیکن آپ ہمیں چھوٹی کھڑکی کھولنے کی اجازت دے دیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کسی کو بھی کھڑکی کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے چچا عباسؓ نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں ایک بوڑھا شخص ہوں اور آپ کے والد کی جگہ پر ہوں کم از کم آپ مجھے اور حمزہ کو اس حکم سے آزاد رکھیں۔

نبی اکرم ﷺ دوبارہ منبر پر تشریف لائے اور آپؐ نے فرمایا: دروازے بند کرنے کا حکم میری طرف سے نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ہے اور اللہ نے فرمایا ہے میرے اور علیؑ کے علاوہ باقی سب کے دروازے بند کردیئے جائیں اور نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا۔

بعض مسلمان جنہوں نے ۲۳ برس نبی ﷺ کی مصاحبت میں گزارے تھے لیکن یہ حکم ان کی طبیعت کے خلاف تھا انہوں نے نبی پر الزام تراشی کی کہ آپ نعوذ باللہ اپنے داماد علیؑ کی محبت میں گمراہ ہو چکے ہیں اور جو آپ کے جی میں آتا ہے وہ

کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالات کی تردید کی اور فرمایا۔ وما ینطق عن الھوی o ان ھو الاوحی یوحی o (النجم۔۴۔۳) ترجمہ: وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا۔ وہ تو ایک وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ (۱۷)

ستارے کا اترنا

ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا: آج رات آسمان سے ایک چھوٹا سا ستارہ نازل ہوگا اور وہ جس کے گھر میں اترے گا وہ میرے بعد میرا وصی ہوگا۔

آپ کا یہ فرمان سن کر صحابہ ساری رات جاگتے رہے اور اپنے گھروں میں ستارے کے اترنے کا انتظار کرتے رہے۔

رسول خداؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلبؑ کو اپنے متعلق زیادہ وثوق تھا کہ ستارہ ان کے گھر اترے گا۔

صبح صادق کا وقت قریب ہوا آسمان سے ایک روشن ستارہ بڑے آرام سے زمین کی طرف آیا اور سیدھا حضرت علیؑ کے گھر پر نازل ہوا۔

اس واقعہ کے بعد حاسد یہ کہنے لگے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (نعوذ باللہ) علیؑ کی محبت میں گمراہ ہو چکے ہیں اور وہ انہیں اپنے بعد وصی و وزیر اور خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ النجم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں اور اپنے نبی سے گمراہی کی نفی کی اور ارشاد فرمایا: والنجم اذا ھوی o ماضل صاحبکم و ماغوی o (النجم

۱۔۲)

ترجمہ: ستارہ کی قسم جب وہ گرا۔ تمہارا ساتھی نہ ہی بھٹکا اور نہ ہی گمراہ ہوا۔ (۱۸)

ایک شاعر کی دلجوئی

بنی بابویہ کے مشہور حکمران عضد الدولہ کو ایک خزانہ ہاتھ لگا۔ اس نے وہ خزانہ مسعود بن بابویہ کو دے کر نجف اشرف روانہ کیا اور اس سے کہا کہ وہ اس سے امیر المومنینؑ کا روضہ مطہر تعمیر کرے۔ یہ ۳۰۰ ہجری کی بات ہے۔

مسعود بن بابویہ نجف اشرف آیا۔ اس نے امیر المومنین علیہ السلام کا روضہ تعمیر کیا اور روضہ کے ساتھ دوسرے رواق تعمیر کرائے۔ ان دنوں ابو عبداللہ حسین بن احمد الحجاج مذہب شیعہ سے تعلق رکھنے والے ایک فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ انہوں نے اس بارے ایک قصیدہ لکھا اور نجف اشرف آئے۔ وہاں حرم امیر المومنینؑ کی تعمیر و تزئین کی خوشی میں ایک محفل برپا ہوئی جس میں مسعود بن بابویہ کے علاوہ علم الہدیٰ سید مرتضیٰؒ بھی شامل تھے۔ ابو عبداللہ حسین نے اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا'' وبداھایاصاحب القبة البیضاء فی نجف '' قصیدہ مدہوش کردینے والا تھا اس میں فضائل امیر المومنینؑ کو جمع کیا گیا تھا جس کا ہر شعر محبوں کی آنکھوں کو روشن کرتا تھا اور دشمنوں کی آنکھوں کی روشنی زائل کرتا تھا۔ حتی کہ قصیدہ اس مقام پر پہنچا جہاں مخالفین پر طعن کیا گیا تھا جو خلافِ تقیہ تھا۔ تو اس وقت سید مرتضیٰؒ نے انہیں روک دیا اور فرمایا: بس اتنا ہی کافی ہے مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شاعر بڑا احساس تھا۔اس نے قصیدہ چھوڑ دیا اور اس محفل سے شکستہ دل ہو کر اپنے گھر آیا۔رات کے وقت حالت خواب میں اسے حضرت امیر المومنینؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔آپؑ نے فرمایا: ابن حجاج! میں نے سید مرتضیٰؒ کو حکم دیا ہے وہ کل تیرے دروازے پر آ کر تجھ سے معذرت کرے گا اور اپنی غلطی کی اصلاح کرے گا۔تو اپنے گھر میں رہ وہ خود ہی تیرے دروازے پر آئے گا۔

سید مرتضیٰ اپنے دور کے عظیم القدر عالمِ دین تھے انہیں عَلَم الھدیٰ، کا لقب دیا گیا تھا، وہ طالبین کے نقیب تھے اور معصومین کی نظر میں انہیں خصوصی مقام حاصل تھا۔(۱۹)

اسی رات سید مرتضیٰ کو امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔سید مرتضیٰ نے دیکھا کہ آپ ناراض ہیں۔

سید مرتضیٰ نے عرض کیا: آقا و مولاؑ! میں آپؑ کا پوتا ہوں آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: تم نے ہمارے شاعر کا دل کیوں توڑا؟ کل اس کے پاس جاؤ اور اس سے معذرت طلب کرو اور آلِ بویہ سے سفارش کرو کہ وہ اسے اچھا انعام دیں۔

جی ہاں اہل بیت کے شعراء اپنی زندگی اپنی ہتھیلی پر رکھ کر آل محمدؐ کی مدح سرائی کرتے تھے، ان کا ہر شعر دشمنوں کے سینوں میں تیر کی طرح سے پیوست ہوتا تھا اور وہ آلِ محمدؐ کی مدح سرائی کر کے لوگوں کی دشمنی خریدا کرتے تھے۔ان کی پوری زندگی خطرات کی زد میں رہتی تھی۔

الغرض صبح ہوئی سید مرتضیٰ اٹھے اور شاعر آل محمد حسین بن حجاج کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے دستک دی۔

حسین بن حجاج نے کہا: دروازہ کھلا ہوا ہے لیکن میں دروازے پر استقبال کے نہیں آؤں گا۔ کیونکہ جس ہستی نے آپ کو یہاں بھیجا ہے انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنی جگہ سے اٹھنا نہیں ہے۔

سید مرتضیٰ نے فرمایا: بے شک آپ سچ کہتے ہیں۔

سید مرتضیٰ شاعر کے گھر میں داخل ہوئے اور اس سے معذرت طلب کی اور پھر اسے اپنے ساتھ لے کر مسعود بن بابویہ کے پاس گئے اور اس سے فرمایا: یہ امیر المومنین علیہ السلام کا منظور نظر شاعر ہے۔ مسعود بن بابویہ نے اسے خوش آمدید کہا اور انعام سے مالا مال کر دیا۔ (۲۰)

لباسِ تقویٰ

ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام اپنے خادم قنبرؓ کو ساتھ لے کر بازار تشریف لے گئے۔

آپؑ نے بازار سے دو چادریں خرید فرمائیں۔ ایک نسبتاً قیمتی تھی اور دوسری کم قیمت تھی۔ آپ نے کم قیمت چادر اپنے پاس رکھی اور قیمتی چادر اپنے خادم قنبرؓ کے حوالے کی۔

قنبرؓ نے عرض کیا: مولا! میں آپؑ کا خادم ہوں آپؑ میرے آقا ہیں اور آپ

خلیفۃ المسلمین ہیں۔ بہتر ہے کہ قیمتی چادر آپ لے لیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم جوان ہو یہ قمیض تمہیں زیب دیتی ہے اور میں بوڑھا ہوں، میں کم قیمت چادر پر ہی گزارہ کرلوں گا اور اگر میں نے اپنے آپ کو تم سے بہتر سمجھا تو مجھے خدا کے ہاں شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ (۲۱)

صحرا میں چشمہ کا برآمد کرنا

امیر المومنین علیہ السلام معاویہ بن ابی سفیان کے مقابلہ کے لئے اپنے لشکر کو لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ آپ اپنے لشکر سمیت ایک صحرا میں پہنچے جس میں پانی اور زراعت کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام کا سپہ سالار مالک اشتر حضرت کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: مولا! یہ بے آب وگیاہ وادی ہے مجھے خدشہ ہے کہ پیاس کی وجہ سے ہمارے سپاہی ادر جانور کہیں ہلاک ہی نہ ہوجائیں۔

آپ نے فرمایا: اطراف میں اچھی طرح پانی تلاش کرو۔

لوگوں نے دور دور تک پانی تلاش کیا لیکن انہیں کہیں پانی دکھائی نہ دیا اور وہ ناامید ہوکر واپس آگئے۔

چنانچہ امیر المومنین بنفس نفیس تھوڑا سا چلے اور ایک جگہ پہنچ کر فرمایا: اس جگہ کو کھودو۔ حضرت کے ساتھیوں نے اس جگہ کو کھودنا شروع کیا۔ وہاں سے ریت اور پتھر ہٹائے۔ کچھ کھدائی کے بعد سیاہ رنگ کی ایک چٹان ظاہر ہوئی۔ ایک سو افراد نے

مل کر اسے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس میں جنبش تک نہ ہوئی۔

لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کیا کہ وہاں تو سیاہ چٹان آ چکی ہے جس کا ہٹانا ناممکن ہے۔

آپ وہاں تشریف لائے۔ آپ نے اکیلے ہی اپنے ہاتھوں سے اس پتھر کو ہٹایا تو اس کے نیچے سے شیریں چشمہ نمودار ہوا۔ آپ نے لشکر سے فرمایا کہ جی بھر کر پانی پی لو اور اپنی مشکیں بھر لو۔

جب تمام لوگوں نے پانی پی لیا اور مشکیں بھر لیں تو آپ نے اس بھاری پتھر کو تن تنہا اٹھایا اور چشمہ کے دہانے پر رکھ دیا اور اس جگہ کو ریت اور مٹی سے بھر دیا۔ پھر آپ وہاں سے چل پڑے چند فرسخ طے کرنے کے بعد آپؑ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو چشمہ کی جگہ کا علم ہے؟ اگر کسی کو علم ہے تو وہ اس کی نشان دہی کرے۔ انہوں نے کہا: ہم سب اس مقام کو جانتے ہیں۔ امام نے فرمایا: آؤ اس جگہ چلتے ہیں تا کہ اسے دیکھیں۔

لشکر واپس ہوا لیکن بہت تلاش کرنے کے باوجود اس چشمہ کا کہیں نام ونشان دکھائی نہ دیا۔

اس وادی میں ایک عیسائی راہب کا معبد تھا جب اس نے یہ اعجاز دیکھا تو وہ اپنی عبادت گاہ سے باہر آیا اور اس نے کہا: تم میں سے اس چٹان کو کس نے ہٹایا ہے؟

لوگوں نے کہا: ہمارے آقا و مولا امیر المومنین علیہ السلام نے چٹان ہٹائی ہے۔

راہب نے کہا: اس بزرگوار کا مجھے مزید تعارف کراؤ۔

لوگوں نے کہا: یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی و وزیر ہیں اور مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔

راہب یہ سن کر فوراً امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آیا اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا: مولاؑ! یہ عبادت گاہ میں نے نہیں بنائی آج سے سینکڑوں برس قبل ایک راہب نے یہ عبادت گاہ تعمیر کی تھی اور اس نے یہ عبادت گاہ اس لئے یہاں بنائی تھی کہ اس نے کسی سے سنا تھا کہ یہاں ایک چشمہ ہے اور خاتم الانبیاءؐ کے وصیؑ کے علاوہ اسے اور کوئی ظاہر نہیں کرے گا۔

اس انتظار کے لئے اس نے یہ عبادت گاہ یہاں بنائی تھی اور وہ پوری زندگی ولیِ خدا کا یہاں انتظار کرتا رہا۔ لیکن اس کے مقدر نے یاوری نہ کی اور وہ آپؑ کے دیدار سے محروم رہا۔ اس کے بعد مختلف افراد یہاں آکر آپ کے انتظار کرتے رہے اور آپ کا انتظار کرتے کرتے خدا کے یہاں جا پہنچے۔ چند برس قبل میں اپنی قسمت آزمانے کے لئے اس عبادت گاہ میں آکر قیام پذیر ہوا اور میں دن رات آپ کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ قسمت نے یاوری کی، آپؑ یہاں تشریف لائے اور آپؑ نے اس چشمہ کو ظاہر کیا۔ اب میں آپؑ کی بیعت کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے آپ سے درخواست کی مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم تو جنگ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔

راہب نے کہا: میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ اپنی جان اسلام کی راہ میں قربان کروں۔

آپؑ نے اس کی درخواست قبول کی اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

جنگِ صفین میں اس نے لڑائی میں حصہ لیا اور شہید ہوگیا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔ (۲۲)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث

حسن بن قضاء (۲۳) ایک مشہور محدث اور ذہین و فطین انسان تھے۔ ایک دن ایک دوست سے ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس سے کہا کہ آؤ ابوحنیفہ کی محفل میں چلتے ہیں اور وہاں جا کر اس کی آزمائش کرتے ہیں۔

غرض دونوں دوست ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں گئے اور اس کے طلباء کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے امام صاحب سے جو گفتگو کی اسے ہم مکالمہ کی صورت میں یہاں نقل کرتے ہیں۔

حسن: اے ابوحنیفہ میں اور میرا دوست ایک امر میں اختلاف رکھتے ہیں تو آپ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

ابوحنیفہ: تمہارے درمیان اختلاف کس بارے میں ہے۔

حسن: میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر پوری امت سے افضل تھے اور ان کے بعد حضرت عمر پوری امت سے افضل تھے۔ لیکن میرا یہ دوست یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل تھے۔

ابوحنیفہ: (کچھ دیر سر جھکانے کے بعد) تم سچے ہو اور تمہارا نظریہ حقیقت پر مبنی ہے اور افضلیت شیخین کی سب سے مضبوط اور وزنی دلیل یہ ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہیں۔

حسن: میں نے یہ دلیل اپنے دوست کو دی ہے لیکن اس نے جواب میں یہ کہا کہ دونوں

بزرگ کس استحقاق کے تحت وہاں دفن ہوئے ﴿اور وہ یہ کہتا ہے کہ جس مکان میں یہ بزرگ دفن ہوئے ہیں کیا وہ مکان رسول خداؐ کا تھا یا حضرت ابوبکر کا تھا۔ اگر وہ مکان رسول خدا کا تھا تو اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے۔یـا ایھـا الـذیـن امنـوا لاتدخلوا بیوت النبی الاان یؤذن لکم..... (الاحزاب)۔

اے ایمان والو! جب تک تمہیں بلایا نہ جائے اس وقت تک رسول کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔

اب یہ فرمائیں کہ رسول خدا تو وفات پا چکے تھے انہیں دفن ہونے کی اجازت کس نے دی تھی۔

ابوحنیفہ: (گھبرا کر) جوان ہم اصلاح کر لیتے ہیں۔ وہ زمین رسول خداؐ کی نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کی تھی۔

حسن: پھر رسول خداؐ کو کیا ضرورت تھی کہ غیروں کی زمین میں دفن ہوں۔

ابوحنیفہ: (پریشان ہوکر) جوان ہم مزید اصلاح کر لیتے ہیں وہ زمین اور مکان تو رسول خدا کا ہی تھا۔ اسی لئے آپ تو اپنی ملکیت میں ہی دفن ہوئے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد وہ مکان ام المومنین حضرت عائشہ کو میراث میں ملا تھا۔ انہوں نے اپنے والد اور حضرت عمر کو وہاں دفن کرنے کی اجازت دی تھی۔ اضافہ از مترجم﴾

میں نے کہا: کیونکہ عائشہ بنت ابوبکرؓ نبیؐ کی زوجہ تھیں اور اسی طرح حفصہ بنتِ عمرؓ نبیؐ کی زوجہ تھیں اور ان دونوں کو نبی کا ورثہ ملا تھا۔ اور ان کی نو ازدواج تھیں اور انہوں نے وراثت کا آٹھواں حصہ پایا۔ تو انہوں نے وراثت کے بہترویں حصہ میں اپنے والد کو دفن کرنے کی اجازت دی۔ لیکن میرا دوست اس پر راضی نہیں ہوتا اور کہتا ہے: اگر ہم

فرض کرلیں کہ وہ رسولؑ کے حجرے کے آٹھویں حصہ میں مشترک تھیں تو پھر ان کے حصے میں تو بالشت بھر زمین آئے گی۔ تو اس ذرا سی زمین میں کیسے انہوں نے اپنے باپوں کو دفن کر دیا؟ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ کیا ابوبکرؓ اور عمرؓ نے یہ نہیں کہا تھا کہ نبی کوئی میراث نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ فاطمہ زہراؑ کو اپنے باپ کی میراث نہ دی گئی۔ یہ کیسا عدل ہے کہ بیٹی کو اسکے باپ کی میراث نہ ملے اور عائشہؓ اور حفصہؓ نبیؐ کی وراثت پائیں۔

جب ابوحنیفہ نے یہ استدلال سنا تو وہ غصہ سے چلایا: اے لوگو! اسے یہاں سے باہر نکالو یہ تو خبیث رافضی ہے۔

ابوحنیفہ کے ردعمل پر غور کرنا چاہیے۔ (۲۳)

ایک یمنی مسافر

ہم یہاں ابن ملجم لعین کی داستان اس لئے بیان کر رہے ہیں تا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ زبانی محبت اور حقیقی محبت میں کیا فرق ہے۔

جب امیر المومنین علیہ السلام کو ظاہری خلافت ملی تو آپ نے یمن کے عامل ''حبیب بن منتجب'' کو خط لکھا کہ وہ عدل و مروت کے تقاضوں پر عمل کرے اور آپ نے خط کے آخر میں لکھا کہ یمن سے دس باخبر اشخاص کو میرے پاس کوفہ روانہ کرو۔

آپ کے عامل نے پہلے ایک سو افراد کا انتخاب کیا۔ پھر اس نے ان میں سے دس افراد کا انتخاب کیا۔ ان دس افراد میں عبدالرحمن ابن ملجم المرادی بھی شامل تھا۔

چنانچہ دس افراد کا قافلہ یمن سے چلا اور امیر المومنین علیہ السلام کے پاس کوفہ پہنچا۔ ابن ملجم ایک بہادر، فصیح اور محدث تھا۔ اس نے اپنے قافلہ کی ترجمانی کی۔ اس نے اپنی طرف سے آپ کی مدح میں چند اشعار بھی کہے اور آپ سے گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا: ہمیں آپ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے فخر محسوس ہوگا۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے ہمارے پاس بے نیام تلواریں موجود ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ تم مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرو۔

پھر وہ تنہائی میں امیر المومنین علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے جو گفتگو کی ہم اسے یہاں مکالمہ کی صورت میں نقل کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ: تیرا نام کیا ہے؟

ابن ملجم: میرا نام عبدالرحمٰن ہے۔

امیر المومنینؑ: تیرے باپ کا کیا نام ہے؟

ابن ملجم: اس کا نام ملجم ہے۔

امیر المومنینؑ: تیرا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟

ابن ملجم: میں مرادی قبیلہ کا فرد ہوں۔

امیر المومنینؑ نے تین مرتبہ دہرا کر فرمایا: کیا تو مرادی قبیلہ کا فرد ہے۔

ابن ملجم نے ہر بار کہا کہ جی ہاں میرا تعلق قبیلہ مراد سے ہے۔

امیر المومنینؑ: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اچھا یہ بتا کیا تجھے یہودی عورت نے دودھ پلایا تھا؟ اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ جب تو روتا تھا تو وہ تجھ سے کہتی تھی تو ناقہ صالح کو ذبح

کرنے والے سے بھی بڑا بد بخت ہے؟

ابن ملجم: جی ہاں یہ سب صحیح ہے۔

امیر المومنینؑ: اچھا تم اب جاؤ۔

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ آپ نے اپنے نوکروں سے فرمایا کہ وہ اس کی مہمانی کریں۔ کچھ عرصہ بعد ابن ملجم بیمار ہوا، کوفہ میں اس کی تیمار داری کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ امیر المومنین نے بذات خود اس کی تیمار داری کی اور اسے دوا دیتے رہے یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا۔

ابن ملجم آپ کے اخلاق عالیہ سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے کہا: مولا! میں یہاں آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں اور میں آپ سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔ میں یہاں رہ کر آپ کی خدمت کروں گا۔

امیر المومنین نے یہ سنا تو آپ نے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' کی آیت تلاوت فرمائی۔

ابن ملجم نے کہا: مولاؑ! یہ بتائیں آپ نے یہ آیت کیوں پڑھی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب تو ہی مجھے قتل کرے گا۔

ابن ملجم نے یہ سنا تو وہ بہت گھبرایا اور دل میں سوچنے لگا کہ بھلا ایسا کیونکر ممکن ہے جب کہ میں تو امیر المومنینؑ سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اللہ اس کے دل کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

ابن ملجم نے اپنے سر پر دو ہتڑ مارے اور کہا: امیر المومنینؑ! میں چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل

کرڈالیں۔

امامؑ نے فرمایا: ابھی تک تو نے جرم نہیں کیا اور میں تجھے جرم سے پہلے سزا دوں تو کس قانون کے تحت دوں؟

یہی ابن ملجم امیرالمومنینؑ کے ساتھ جنگ صفین و نہروان میں شریک رہا جب جنگِ نہروان میں امیرالمومنین کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی تو ابن ملجم نے آپ سے کہا: مولاؑ! مجھے کوفے جانے کی اجازت دیں میں لوگوں کو آپ کی کامیابی کی خوش خبری دوں گا۔

امامؑ نے فرمایا: ایسا کرنے سے تیرا کیا مقصد ہے؟

اس نے کہا: جب میں لوگوں کو امیرالمومنینؑ کی کامیابی کی خوش خبری سناؤں گا تو اللہ مجھ سے راضی ہوگا۔

امامؑ نے اسے اجازت دی اس نے ایک پرچم اٹھایا اور کوفہ کی طرف چل پڑا جب وہ شہر کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے پکار کر کہا: لوگو تمہیں مبارک ہو۔ امیرالمومنینؑ کو خدا نے فتح دی ہے۔

وہ شہر کی سڑکوں اور گلیوں سے گزرتا ہوا ایک حسین و جمیل عورت کے مکان کے قریب سے گزرا۔ اس عورت کا نام ''قطام'' تھا۔ وہ عورت انتہائی بدعقیدہ اور بدکردار تھی جب اس نے یہ خبر سنی تو اس نے ابن ملجم کو بلایا تاکہ وہ اس سے اپنے باپ اور بھائی کے متعلق سوال کرے۔ اور اس کی ضیافت کرے۔

ابن ملجم نے جب اس کا حسن و جمال دیکھا تو وہ اس پر فدا ہو گیا اور اپنا دین، ایمان بھول گیا۔ عورت نے اس سے اپنے باپ اور بھائی کے متعلق پوچھا جو خوارج

کے لشکر میں شامل تھے۔ابن ملجم نے جواب دیا کہ وہ مارے جا چکے ہیں۔

باپ اور بھائی کی موت کی خبر سن کر ''قطام'' رونے لگی۔ابن ملجم کو افسوس ہوا کہ اس نے یہ خبر سنا کر اس پری پیکر کو کیوں رُلایا۔

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوسرے کمرے میں گئی۔منہ ہاتھ دھوئے اور از سرِنو بن سنور کر ابن ملجم کے پاس آئی۔

ابن ملجم اس نازنین کے سامنے اپنا دل ہار بیٹھا اور اس نے عورت کو نکاح کی دعوت دی۔

عورت نے کہا: اگر تو مجھ سے شادی کا خواہش مند ہے تو اس کے لئے تجھے بھاری حق مہر ادا کرنا ہوگا۔

ابن ملجم نے کہا: میں تمہارا منہ مانگا حق مہر تمہیں دوں گا۔

عورت نے کہا: تم بھول رہے ہو رقم، جواہرت اور عطریات اور مشک وعنبر کی مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔

ابن ملجم نے کہا: پھر تمہارا حق مہر کیا ہے؟

عورت نے کہا: میرا حق مہر بہت زیادہ ہے۔یہ کہہ کر وہ کمرے سے اٹھ کر چلی گئی، ازسرنو زیب وزینت کی اور پھر ابن ملجم کے پاس آئی۔جب اس نے ابن ملجم پر حسن کی بجلیاں گرائیں تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔اور اس سے کہا: میرے صبر کا زیادہ امتحان نہ لے مجھے اپنے حق مہر سے آگاہ کر۔

عورت نے کہا: امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا قتل میرا حق مہر ہے۔

یہ سنا تو ابن ملجم گھبرا گیا اور چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا: تم نے مجھے

مشکل میں ڈال دیا۔ مجھے مہلت دو میں چند روز سوچ کر تمہیں بتاؤں گا۔

دوسرے دن ابن ملجم کے پاس یمن سے ایک قاصد آیا اور اسے یہ اطلاع دی کہ تیرا باپ اور چچا دونوں مر گئے ہیں اور ان کا اکیلا وارث تو ہی ہے۔ لہذا یمن جا اور باپ اور چچا کی میراث حاصل کر۔

یہ خبر سن کر اسے خوشی ہوئی اور اس نے دل ہی دل میں کہا کہ میں میراث سے ملنے والی رقم جمع کروں گا اور قطام کو وہ رقم دے کر اپنے ساتھ نکاح پر راضی کر لوں گا۔

ابن ملجم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ میرا باپ اور چچا مر گئے ہیں اور ان کا اکیلا وارث میں ہوں۔ آپ حاکمِ یمن کے نام مجھے سفارشی خط لکھ دیں تاکہ وہ مال کی جمع آوری میں میری مدد کرے۔

امام علیہ السلام نے اسے خط لکھ دیا۔ اس کے بعد ابن ملجم یمن گیا۔ راستے میں اسے رات ہو گئی اس نے تاریک رات میں ایک جگہ آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ مجھے آگ کی سمت میں جانا چاہیے، وہاں آبادی ہوگی، رات وہیں بسر کروں گا۔

جب وہ آگ کے قریب آیا تو اسے وہاں کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔ البتہ جنات نے چیخ کر کہا: شیر خدا کا قاتل آ گیا ہے۔

ابن ملجم ڈر گیا۔ جنات نے اسے پتھر مارے جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

الغرض وہ یمن پہنچا اور حاکم یمن کو امیر المومنین علیہ السلام کا خط دیا۔

حاکم یمن نے آپ کے خط کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کم از کم وقت میں میراث کا مال جمع کر کے ابن ملجم کے سپرد کر دیا۔

ابن ملجم رقم لے کر کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی اس نے آدھا سفر ہی طے کیا تھا کہ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا اور اس کی ساری رقم لوٹ لی اور اس کے پاس لباس اور گھوڑے کے علاوہ کچھ باقی نہ رہنے دیا۔

ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے کے بعد اس نے کوفہ کی طرف سفر جاری رکھا کچھ عرصے بعد اسے ایک قافلہ ملا جس میں اس کی ملاقات دو خارجیوں سے ہوئی چند ملاقاتوں میں یہ ان کا راز دان بن گیا۔ انہوں نے ابن ملجم کو بتایا کہ ہم امیر المومنین اور معاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ تینوں افراد ہی امت اسلامیہ میں اختلاف کی بنیاد ہیں۔

عبدالرحمٰن اس پر تیار ہو گیا کہ وہ امیر المومنینؑ کو قتل کر دے گا۔

ابن ملجم کوفہ پہنچ کر سیدھا ''قطام'' کے پاس گیا۔ اس بدکار عورت نے اسے اپنے ہاتھ سے نشہ پلایا اور جب یہ خبیث مست ہوا تو اس عورت کے قدموں پر گر گیا اور اس سے وصال کا مطالبہ کیا۔

بدکار عورت نے کہا: تمہیں علی علیہ السلام کے قتل کے بعد ہی وصال میسر ہوگا اس سے پہلے نہیں۔ ابن ملجم جو کہ مدہوش ہو چکا تھا اس نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور جا کر علیؑ کو قتل کرتا ہوں۔

قطام نے کہا: ٹھہر جاؤ۔ ایسا نہیں ہے اس کے لئے کچھ ابتدائی تیاری کی ضرورت ہے۔ اس نے ابن ملجم کو دو ہزار درہم دیئے اور کہا ایک ہزار درہم سے تلوار

خرید واور ایک ہزار درہم سے اسے زہر میں بجھاؤ۔

جیسے ہی انیس ماہ رمضان کی رات ہوئی تو وہ خبیث تلوار لے کر مسجد کوفہ میں پہنچ۔ صبح صادق کے وقت امیر المومنین علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے آپ نے نماز شروع کی تو اس لعین نے حالت سجدہ میں آپ پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے امیر المومنینؑ سخت زخمی ہوئے اور دو دن بعد آپ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (۲۵)

یا علی علیہ السلام مدد

زید نساج راوی ہیں کہ میری ہمسائیگی میں ایک بوڑھا شخص رہتا تھا جسے میں کبھی کبھی ہی دیکھتا تھا۔ اتفاق سے ایک جمعہ کے دن میں نے اسے دیکھا وہ غسل جمعہ کر رہا تھا اور اس نے قمیض اتاری ہوئی تھی۔ میں دیکھا اس کی پشت پر کسی زخم کا گہرا داغ تھا۔

میں نے اس سے اس داغ کے متعلق پوچھا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا لیکن میرے بے حد اصرار پر اس نے جو کہانی سنائی وہ یہ تھی۔

جوانی کے دنوں میں میں فاسق و فاجر شخص تھا اور اپنے بدمعاش ساتھیوں کے ساتھ مل کر چوریاں اور ہر طرح کی غیر اخلاقی حرکتیں کیا کرتا تھا۔ ہم دوستوں کا اصول تھا کہ باری باری ایک دوسرے کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ میں دوستوں کی دعوتوں میں شریک ہوتا رہا یہاں تک کہ دوستوں نے بتایا کہ ایک رات بعد

تمہاری دعوت کی باری ہے۔ میں یہ سن کر گھر آیا اور یہ سوچا کہ کل رات تو میرے دوست میرے ہاں مہمان ہوں گے لیکن میرے گھر میں اتنا مال نہیں ہے کہ میں انہیں پُرتکلف دعوت دے سکوں۔

یہ سوچا اور گھر سے تلوار اٹھائی اور کوفہ کے باہر چلا گیا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ کوئی نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر یہاں سے گزرے گا تو میں اسے لوٹوں گا اور لوٹ کے مال سے دوستوں کی دعوت دوں گا۔

مجھے انتظار کرتے ابھی تھوڑا سا وقت ہی گزرا تھا کہ میں نے دیکھا کہ دو عورتیں اس راستے پر چلی آرہی ہیں۔

میں تیزی سے ان کے پاس پہنچا اور للکار کر کہا کہ تمہارے پاس جتنی نقدی اور زیور ہے وہ سب میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

عورتیں گھبرا گئیں او رانہوں نے جو کچھ جواہرات اور نقدی تھی میرے حوالے کر دی۔ میں نے دیکھا تو ان میں سے ایک عورت بوڑھی تھی جب کہ دوسری خوبصورت اور جوان تھی۔ شیطان نے مجھے ورغلایا۔ میں نے جوان لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور چاہا کہ اس مسکین لڑکی سے زنا کروں۔

بوڑھی عورت نے مجھ سے چھین کر اسے لپٹا لیا اور کہا: اپنا ہاتھ اس سے دور رکھ یہ میری یتیم بھانجی ہے کل اس کی اس کے چچازاد سے شادی ہونے والی ہے۔ اس نے مجھ سے آج جمعہ کی رات یہ خواہش کی تھی کہ امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کرالاؤں۔ کیونکہ شادی کے بعد نجانے اسے مولاؑ کی زیارت کب نصیب ہو۔ ہم دونوں نجف جا رہی ہیں اور وہاں جا کر امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کریں گی۔ لہذا تم

اسے رُسوا نہ کرو۔

بوڑھی عورت نے جتنی بھی التجا کی میں نے ایک نہ سنی بلکہ اسے مارا اور میں نے جوان لڑکی کو زمین پر گرا دیا۔ اس وقت لڑکی نے زور سے کہا: یا علیؑ مدد!

جیسے ہی اس نے حضرت علیؑ کو اپنی مدد کے لئے پکارا تو مجھے اپنے پیچھے سے کسی نے حکم دیا: اس کو چھوڑ دے۔ میں نے تکبر سے کہا: تو اس کی سفارش کرنے والا کون ہوتا ہے۔ اگر تجھے اپنی جان عزیز ہے تو فوراً یہاں سے چلا جا اور میرے معاملہ میں مداخلت نہ کر۔ ورنہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔

جب میں نے جواباً یہ جسارت کی تو اس شخص نے میری پشت پر تلوار کا ہلکا سا وار کیا اور میں گر پڑا۔

عورتوں نے اس سوار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ہم آپ کا شکریہ ادا کرتی ہیں کہ آپ نے ہمیں اس ظالم کے چنگل سے نجات دلائی ہے۔ آپ ہم پر احسان کریں اور ہمارے ساتھ نجف تک چلیں۔

سوار نے نرم آواز میں ان سے کہا: تمہاری زیارت قبول ہو چکی میں وہی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔

جب میں نے یہ سنا تو میں سخت شرمندہ ہوا اور میں امام علی علیہ السلام کے قدموں میں گر پڑا اور میں نے عرض کیا: مولا! میں اپنے کئے پر سخت نادم ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں خدارا آپ مجھے معاف فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سچے دل سے کی جانے والی توبہ قبول ہوتی ہے۔

میں نے کہا: مولا! یہ زخم مجھے بہت زیادہ اذیت دے رہا ہے۔

امام علیہ السلام نے کچھ خاک اٹھا کر میرے زخم پر ڈالی جس کی وجہ سے زخم سے اٹھنے والی ٹیسیں ختم ہوگئیں۔ میرا زخم تو مندمل ہوگیا لیکن اس کا اثر آج تک باقی ہے۔(۲۵)

ہارون کا شکار

حسنین کریمین علیہما السلام نے اپنے والد ماجد کی وصیت کے تحت آپ کو رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر دفن کیا تا کہ دشمنوں کو حضرت کی قبر کا نشان معلوم نہ ہو اور وہ قبر اطہر کی بے ادبی نہ کریں۔

نجف ایک جھیل تھی۔ جو بعد میں خشک ہوگئی اس جھیل کے مشرقی کنارے ایک بڑے ٹیلے پر امیر المومنین کا روضہ مبارک واقع ہے۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام جب بھی کوفہ آتے تو وہ اپنے جد نامدار کے مزار پر ضرور حاضری دیتے تھے اور محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام نے اپنے بعض اصحاب کو قبر امیر المومنینؑ کی نشان دہی بھی کی تھی۔﴿لیکن عام مسلمانوں کو علم نہیں تھا کہ داماد رسول کا مزار کہاں ہے: از مترجم﴾۔

دن گزرتے رہے یہاں تک کہ ہارون الرشید خلیفہ بنا۔ ایک مرتبہ ہارون بغداد سے کوفہ آیا اور کہا کہ کل میں شکار پر جاؤں گا۔

دوسرا دن ہوا اس کے حاشیہ نشین اور مقربین اس کے ساتھ ہوئے، انہوں نے شکاری کتے اپنے ساتھ لیے اور شہر سے باہر آگئے ایک جگہ ہرنوں کی ڈار دکھائی

دی۔ کتوں نے ہرنوں کا تعاقب کیا اور باز ان کے اوپر پرواز کرنے لگے۔ ہرن دوڑتے دوڑتے ایک ٹیلے پر جاچڑھے اور جیسے ہی ٹیلے پر گئے تو شکاری کتے نیچے رُک گئے اور باز بھی خاموش ہو کر واپس آ گئے۔

ہارون نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح سے کتے ٹیلے پر چڑھیں لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔

جب ہرنوں نے دیکھا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے تو ٹیلے سے نیچے اترے۔ ہارون نے دوبارہ حکم دیا کہ کتے اور باز ان کا تعاقب کریں لیکن ہرن دوبارہ ٹیلے پر چڑھ گئے۔اس بار بھی کتے نیچے بیٹھ گئے اور کسی بھی کتے نے ٹیلے پر چڑھنے کی جسارت نہ کی۔

ہارون الرشید یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے حکم دیا کہ یہاں کے قرب وجوار میں اگر کوئی بزرگ رہتا ہے تو اسے میرے پاس لایا جائے۔

علاقے میں ایک بزرگ رہتا تھا۔ سپاہی اسے لے کر ہارون کے پاس آئے ہارون نے اس سے کہا کہ اس ٹیلے کا کیا راز ہے؟

بوڑھا پہلے تو گھبرا گیا لیکن جب ہارون نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے کچھ نہیں کہے گا تو اس نے کہا: ایک دن میں اپنے والد کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ میرے والد نے کہا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے بتایا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس ٹیلے میں مدفون ہیں۔

ہارون الرشید نے حکم دیا کہ یہاں امیر المومنین کا حرم اور دیوان بنایا جائے۔ بعد از اں خاندان بُو یہ نے جو شیعہ تھے آپؑ کے حرم میں توسیع کی اور نادر شاہ نے آپ کے قبر اطہر پر سونا چڑھایا۔(۲۶)

ردشمس

جس طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے ہوئے تھے۔اسی طرح ان کے وصی حیدر کرار نے انگلی کا اشارہ کیا تو ڈوبا ہوا سورج آسمان کے درمیان میں لوٹ آیا۔

جنگِ صفین کے موقع پر بہت سے سپاہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورانہوں نے کہا کہ ہم نے نمازعصر نہیں پڑھی اوراب سورج غروب ہوگیا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے سورج کی طرف اشارہ کیا۔سورج واپس آیا اورآپ کے لشکریوں نے نمازعصر ادا کی۔(۲۸)

اس واقعہ کے ایک طویل عرصہ بعد ایک عظیم شیعہ عالم نے ایک محفل میں امیرالمومنین علیہ السلام کے فضائل پر مشتمل ایک طویل نظم پڑھی۔اس اثنا میں سورج ڈوب گیا لوگ نمازمغرب کی تیاری کے لئے اٹھنے لگے۔اس وقت امیرالمومنین کے سچے عاشق نے سورج سے کہا:

اے سورج! تجھے یاد ہوگا جب تو جنگ صفین کے دوران واپس لوٹ آیا تھا۔ تو آج تو اتنی جلدی سے غروب کیسے ہوگیا؟

اگر تو اس دن میرے مولاؑ کے حکم پر واپس آیا تھا تو آج مولا کے غلام کے کہنے پر بھی واپس آجا تاکہ میں یہ قصیدہ پورا کرسکوں۔

ڈوبا ہوا سورج دوبارہ واپس آیا اورانہوں نے امیرالمومنینؑ کی مدح پر مبنی اپنا قصیدہ مکمل کیا۔(۲۹)

جھونپڑی میں پڑا ہوا لاچار

حسنین کریمین علیہما السلام اپنے والد ماجد علیہ السلام کو دفن کر کے واپس کوفہ آرہے تھے تو انہیں راستے میں ایک جھونپڑی دکھائی دی جس سے ایک شخص کے کراہنے کی آوازیں سنائی دیں۔

دونوں بھائی جھونپڑی میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک کمزور اور لاچار بیمار پڑا ہوا اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔

حسنین کریمین علیہما السلام نے اس سے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ایک بوڑھا لاچار شخص ہوں۔ میرا اس بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ سوائے ایک شخص کے جو میرے پاس روزانہ آتا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں سے لقمے بنا کر مجھے کھانا کھلایا کرتا تھا۔ لیکن تین دن سے وہ میرے پاس نہیں آیا اور میں تین دنوں کا بھوکا پیاسا ہوں۔

فرزندان امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تم اس مہربان انسان کو پہچانتے ہو؟

اس شخص نے کہا: میں نابینا ہوں اس لئے میں کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ البتہ ایک دن میں نے اس مہربان سے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا تھا میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔

حسنین کریمین علیہما السلام نے اس سے کہا: کیا تمہیں اس کی کوئی نشانی یاد ہے؟

بوڑھے نے جواب دیا: ہاں، جب وہ اس جگہ اللہ کا ذکر کرتا تھا تو میری جھونپڑی کے در و دیوار سے بھی تسبیح خداوندی کی آوازیں بلند ہونے لگتی تھیں۔ یہ سنا تو

حسنین کریمینؑ کی چیخیں بلند ہوئیں اور فرمایا: وہ ہمارے والد حضرت امیر المومنین علیہ السلام تھے ابھی ہم انہیں دفن کر کے واپس آ رہے ہیں۔

بوڑھے نے یہ سنا تو اس کی بھی چیخیں بلند ہوئیں اور اس نے کہا: آپ مجھ پر احسان کریں ایک مرتبہ مجھے اپنے والد ماجد کی قبر پر لے جائیں۔

حسنین کریمین علیہم السلام نے اسے اپنے ساتھ لیا اور امیر المومنین علیہم السلام کی قبر اطہر پر آئے۔ قبر اطہر پر پہنچ کر وہ اتنا رویا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

یتیم پروری

ایک دن امیر المومنینؑ کہیں جا رہے تھے آپ نے ایک عورت کو دیکھا جس نے پانی کی ایک مشک اٹھائی ہوئی تھی اور بڑی مشکل سے چل رہی تھی۔

آپؑ نے اس سے فرمایا. خاتون! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کی کچھ مدد کروں۔

عورت نے کہا: کیوں نہیں، میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔

امیر المومنین علیہ السلام نے اس سے مشک لے لی اور اسے اٹھا کر چل پڑے۔

راستے میں آپ نے اس عورت سے فرمایا: پانی لانا تو مرد کی ذمہ داری ہے تم خود یہ کام کیوں کرتی ہو۔

عورت نے جواب دیا: میرا شوہر امیر المومنین کی فوج کا ایک سپاہی تھا اور وہ ان کی رفاقت میں جنگ صفین میں شہید ہو گیا ہے۔ میرے گھر میں یتیم بچے

ہیں۔امیر المومنین علیہ السلام کو ہمارے حالات کا علم نہیں ہے۔

آپ نے وہ مشک اس کے گھر پہنچائی۔ پھر آپ بازار تشریف لائے اور وہاں سے آپ نے آٹا اور کھجوریں خریدیں اور وہ اشیاء اس کے گھر پہنچائیں۔ بعدازاں آپ نے فرمایا۔ اگر تم بچوں کو بہلاؤ تو میں آٹا خمیر کر کے روٹیاں تیار کروں اور اگر تم آٹا گوندھو تو میں تمہارے بچوں کو بہلاؤں؟

عورت نے کہا: بچے مجھ سے زیادہ مانوس ہیں آپ کھانا پکائیں۔

آپ نے آٹا خمیر کیا اور پھر تنور جلایا۔ جب تنور سے آگ بلند ہوئی تو آپ آگ کے قریب گئے اور اپنے آپ سے فرمایا: علی! آگ کا ذائقہ چکھو تا کہ تم یتامیٰ سے بے خبر نہ رہو۔

اس اثنا میں ایک ہمسائی گھر میں آئی جو کہ امیر المومنین علیہ السلام کو پہچانتی تھی۔ وہ اس خاتون کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ تو نے کیا غضب ڈھایا ہے تو امیر المومنینؑ سے خدمت لے رہی ہے۔

یہ سنا تو وہ عورت دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے آپ سے معذرت کی۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تمہیں معذرت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے بجائے میں تم سے معذرت کرتا ہوں کہ مجھ سے تمہارے متعلق کوتاہی ہوئی ہے۔ (۳۰)

گرم لوہا

حضرت علی علیہ السلام جب خلیفہ وقت تھے تو ان کے بھائی عقیل نے چاہا کہ حضرت علیؑ بیت المال سے ان کے وظیفہ میں اضافہ کردیں۔

حضرت علی علیہ السلام ایک دن اپنے بھائی کے گھر تشریف لے گئے۔ جب عقیل نے کھانے سے ان کی تواضع کردی تو انہوں نے اپنے کنبہ کے حالات اور ان کی مفلوک الحالی کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ہمیں بیت المال سے جو وظیفہ ملتا ہے وہ انتہائی کم ہے۔ جو ہمارے مصارف کے لئے کافی نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ اس میں اضافہ کردو۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: بھائی! مجھے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ تمہارے پاس مال زیادہ ہے (اور اس کا ثبوت یہ ہے) کہ تم دوسروں کو اپنے گھر میں دعوت دے رہے ہو۔

پھر آپؑ نے لوہے کی ایک سلاخ کو آگ پر گرم کیا اور عقیل سے فرمایا: ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہیں کچھ دوں۔ (حضرت عقیل نابینا تھے) وہ سمجھے کہ آپ انہیں نقدی عطا کررہے ہیں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا ان کا ہاتھ جیسے ہی آگ کے قریب ہوا تو انہوں نے فوراً ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور چیخ کر کہا: اے بھائی تم کیا کررہے ہو؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: عقیل! تم تو اس آگ سے ڈر گئے ہو جسے ایک کمزور انسان نے جلایا ہے۔ کیا تمہیں اپنے بھائی پر ترس نہیں آتا جسے تم دوزخ کے شعلوں کے حوالے کرنا چاہتے ہو۔ تم تو دنیا کی معمولی آگ برداشت کرنے پر آمادہ

نہیں تو کیسے پسند کرتے ہو کہ تمہارا بھائی جہنم کی آگ سے جلے؟ وظائف کی تقسیم میں تمہارے اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

عقیل حضرت علیؑ کی اس مساوات کو برداشت نہ کر سکے وہ آپ کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس شام چلے گئے جہاں معاویہ نے ان کو انعام اکرام سے خوب نوازا۔

جی ہاں ہمیں چاہئے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی عصمت اور عدل کی معرفت حاصل کریں۔ حضرت علی علیہ السلام دنیا اور لیڈری کے طلب گار نہیں تھے آپ کی نگاہ میں مٹی اور سونا دونوں یکساں تھے۔ ہم جیسے کمزور انسان آپ کے فضائل شمار کرنے سے عاجز ہیں۔(۳۱)

مجسمہ عدل

(امیر المومنین علیہ السلام کا دور خلافت تھا)۔ عید پر ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سونے اور جواہر سے اپنے کو مزین کرے۔ چنانچہ امیر المومنین کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے بیت المال کے خازن علی بن ابی رافع کو پیغام بھیجا کہ بیت المال میں سے ایک ہار میرے پاس بھیجیں میں عید کے بعد تجھے واپس کردوں گی۔

بیت المال کا خازن مومن اور محب اہل بیت تھا اس نے ایک ہار بی بی کی خدمت میں بھیج دیا۔ (شاہزادی نے وہ ہار پہن لیا)۔

امیر المومنین علیہ السلام گھر میں تشریف لائے تو آپ نے اپنی صاحبزادی کو قیمتی ہار پہنے ہوئے دیکھا۔ آپ نے صاحبزادی سے فرمایا: یہ ہار کہاں سے آیا؟

بی بی نے عرض کیا: ابا جان! یہ ہار بیت المال کا ہے میں نے اسے بطور امانت لیا ہے اور عید کے بعد واپس کر دوں گی۔

آپ نے بی بی سے وہ ہار لیا اور بیت المال کے خازن کے سپرد کیا اور فرمایا: اگر یہ ہار میری بیٹی نے تجھ سے امانت کے طور پر نہ لیا ہوتا تو میں تجھے بیت المال کا چور قرار دے کر تیرا ہاتھ کاٹ دیتا۔(۳۲)

مظہر شجاعت

جنگ صفین پورے اٹھارہ مہینے جاری رہی۔اس جنگ میں امیر المومنینؑ نے شام کے لشکروں کا مقابلہ کیا جن کی قیادت معاویہ اور عمرو بن العاص کر رہے تھے۔

اُن دنوں معاویہ نے ایک خصوصی دستہ تشکیل دیا تھا جس میں دس ہزار جنگجو شامل تھے۔اس دستہ میں شام کے دلیر اور جنگ آزما افراد کو شریک کیا گیا تھا۔معاویہ نے اس دستہ کو جنگ کی خصوصی تربیت دلائی تھی اور وہ ہر قسم کی جنگ کے لئے تیار تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی افواج پر کاری ضرب لگانے کیلئے معاویہ نے اپنے اس دستہ کو حکم دیا کہ وہ پوری تیاری کے ساتھ علیؑ کے لشکر پر حملہ کریں۔

معاویہ کا یہ دستہ آگے بڑھا۔اس دستہ میں شامل تمام افراد سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے اور آنکھوں کے علاوہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہیں تھا۔

معاویہ کے خصوصی دستہ نے اپنے آپ کو لوہے میں اس قدر ڈبویا ہوا تھا کہ باہر سے آنے والے تیر اور تلواروں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

جب معاویہ کا یہ خصوصی دستہ گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کی طرف چلا تو امیر المومنین کی فوج میں سراسیمگی پھیل گئی اور آپ کی فوج ان سے مقابلے کرنے سے گھبرانے لگی۔

آپ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن آپ نے محسوس کیا کہ فوج کے حوصلے پست ہو چکے ہیں۔

آپ نے فرمایا: تم سب یہاں ٹھہرے رہو آج اس لشکر سے میں تنہا ہی جنگ کروں گا۔ یہ کہہ کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے، ذوالفقار کو ہاتھوں میں لیا اور دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ کبھی آپ دائیں طرف سے حملہ کرتے کبھی بائیں طرف سے حملہ کرتے اور آپ نے اتنی برق رفتاری سے حملے کیے کہ دشمن کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ علیؑ اس وقت کہاں ہیں۔ دشمنوں کے سر پکے ہوئے پھلوں کی طرح سے گرنے لگے اور وہ خون میں لت پت ہو گئے۔

چند گھنٹوں کی جنگ کے بعد دشمن اپنے ساتھیوں کے لاشے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے معاویہ کے خیمہ کے سامنے پہنچے جب معاویہ نے اپنے خصوصی دستہ کا یہ حشر دیکھا تو اس کی امیدوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

اس نے کہا کہ تمہیں اس بدترین شکست سے کس نے دوچار کیا اور یہ بتاؤ تمہارے مقابلہ میں علیؑ کی کتنی فوج تھی؟

بچے کھچے افراد نے کہا: اس جنگ میں ہم نے علیؑ کے سوا کسی کو نہیں

دیکھا لیکن علیؑ نے اس برق رفتاری سے ہم پر حملے کئے اور گلوں کو کاٹا کہ کبھی وہ ہمیں اپنے آگے دکھائی دیتا تھا اور کبھی اپنے پیچھے دکھائی دیتا تھا اور ہمارے جتنے بھی افراد قتل ہوئے ہیں وہ سب کے سب علیؑ کی تلوار سے ہی قتل ہوئے ہیں اور آج ہم نے داماد پیغمبرؐ کی اس شجاعت کو دیکھا ہے جس کا مثل نہ ہم نے اپنی زندگی میں دیکھا اور سنا کہ کوئی اس جیسا ہو۔ (۳۳)

حدیث طیر

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا ﷺ کا دربان بن کر آپ کے دار الشرف کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں آپ کے لئے جنت سے ایک بھنا ہوا پرندہ لایا گیا۔ جب نبی اکرم ﷺ پر جنتی کھانا نازل ہوا تو اس وقت آپ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے اور کہا: پروردگار! جو بندہ تجھے سب سے زیادہ پیارا ہو اسے یہاں بھیج تاکہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر اس جنتی کھانے کو تناول کرے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی دعا کو چند ہی لمحات گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو حضرت علیؑ کھڑے تھے میں یہ چاہتا تھا کہ اس کھانے میں علیؑ شریک نہ ہوں اس کی بجائے میری قوم انصار میں سے کسی شخص کو یہ شرف حاصل ہو۔

میں نے علیؑ سے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: میں پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: آپ واپس چلے جائیں اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف ہیں آپ کسی اور وقت آئیں۔

حضرت علی علیہ السلام واپس چلے گئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ احدیت میں عرض کیا: پروردگار! جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو اسے یہاں بھیج تا کہ وہ میرے ساتھ مل کر اس پرندے کا گوشت کھائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کو چند لمحات گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو علیؑ کھڑے تھے۔ اب کی بار میں نے نیا بہانہ تراش کر انہیں واپس کر دیا۔

پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری بار دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے اور کہا: پروردگار جو بندہ تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو اسے یہاں بھیج تا کہ وہ میرے ساتھ شریکِ طعام ہو سکے۔

آنحضرتؐ کی اس دعا کو چند ہی لمحات گزرے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازے کھولا تو اس بار بھی علی علیہ السلام کھڑے تھے۔ اب میں نے نیا عذر تراشنا مناسب خیال نہ کیا اور انہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔

حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو تیسری بار آیا ہوں، دو مرتبہ پہلے آپ کے دربان نے مجھے یہ کہہ کر اندر نہ آنے دیا کہ آپ مصروف ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دربان انس سے فرمایا: تو نے علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہاں آنے سے کیوں روکا؟

انس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں چاہتا تھا کہ یہ شرف میری قوم کے کسی فرد کو نصیب ہو۔ (۳۴)

آٹھ روٹیوں کا فیصلہ

دو آدمی امام علیؑ کے پاس آئے تا کہ آنجنابؑ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے پاس تین روٹیاں تھیں اور میرے ساتھی کے پاس پانچ۔ اتنے میں ایک آدمی ہمارا مہمان ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ روٹیاں کھائیں۔ جاتے ہوئے اس نے ہمیں روٹیوں کی قیمت آٹھ درہم دی۔ اب ہمیں ان درہموں کی تقسیم پر اختلاف ہے۔

میرا دوست جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے پانچ درہم اٹھا لئے اور مجھے تین درہم دیئے لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ آٹھ درہم ہم میں برابر تقسیم ہونے چاہئیں۔ کہ ہر ایک کو چار درہم ملیں کیونکہ مہمان نے ہم دونوں کا کھانا کھایا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر مجھ سے صحیح فیصلہ چاہتے ہو تو جس کی پانچ روٹیاں تھیں اس کو سات درہم ملنے چاہئیں اور جس کی تین تھیں اسے صرف ایک درہم۔

اس شخص نے امام کی گفتگو پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: آپ کیسے اس نتیجے پر پہنچے؟

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ تم دونوں کے پاس آٹھ روٹیاں تھیں ان کو اگر تین افراد کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے تو ان روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے کرنے ہوں

گے کہ ہر شخص فقط آٹھ ٹکڑے کھا سکے۔ اب جس کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اس کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ ٹکڑے کھائے اور سات مہمان کو دید یئے اور دوسرے نے اپنی روٹیوں کے نو ٹکڑے کئے جن میں سے صرف ایک ٹکڑا اپنے مہمان کو دیا اور باقی آٹھ خود کھائے۔ اور مہمان نے آٹھ درہم دیئے کیونکہ اس نے آٹھ ٹکڑے کھائے تھے چنانچہ تیرا دوست جس نے اپنی روٹیوں کے سات ٹکڑے دیئے اس کا حق ہے کہ اس کو سات درہم دیئے جائیں اور تجھے صرف ایک درہم ملے۔ (۳۵)

انگلی کا اشارہ

''مرّہ بن قیس'' ایک بڑے عرب قبیلہ کا سربراہ تھا۔ اس کے پاس ایک ہزار مسلح سپاہی تھے اور وہ امیر المومنین علیہ السلام کا بدترین دشمن تھا۔

جب اسے پتہ چلا کہ ہر طرف سے لوگ شہر امیر المومنینؑ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آپؑ کی ضریح پر نذرانے چڑھاتے ہیں تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے کہا: میں جاتا ہوں اور اس کی ضریح کو گرا کر قبر کا نشان مٹا دوں گا۔

چنانچہ اس نے اپنا لشکر ساتھ لیا اور نجف کی طرف چل پڑا اس کی ہیبت کی وجہ سے اہل نجف نے کوئی مزاحمت نہ کی اور یوں وہ کسی رکاوٹ کے بغیر شہر نجف میں داخل ہوا اور سیدھا امیر المومنین علیہ السلام کے حرم اطہر میں داخل ہو گیا۔

وہ جیسے ہی قبر مطہر کے سامنے پہنچا تو قبر اطہر سے امام علیؑ کی انگلی نمودار ہوئی

اور آپ نے اس سے اس کی طرف اشارہ کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ فوراً دو حصوں میں تقسیم ہو کر گرا اور اس کا جسم پتھر میں تبدیل ہو گیا۔

لوگوں نے اس کے پتھریلے جسم کو حرم اطہر سے باہر نکالا اور نجف سے باہر پھینک دیا۔ ایک طویل عرصہ تک اس کا نجس وجود نجف سے باہر پڑا رہا۔ جانور اس پر پیشاب کرتے رہے۔ ایک عرصہ کے بعد اس کے رشتہ دار آئے، وہ بھی دشمنان امیر المومنینؑ تھے اور اس کے پتھریلے وجود کو اٹھا کر لے گئے اور اسے کہیں جا کر دفن کر دیا۔(۳۶)

سترہ اونٹوں کی تقسیم

تین بھائیوں میں اپنے اونٹوں کی تقسیم پر اختلاف ہوا اور ان کے لئے کسی مناسب متفقہ فیصلے پر پہنچنا ممکن نہ رہا۔ آخر میں انہوں نے یہ طے کیا کہ امام علی ابن ابی طالبؑ کے پاس جائیں اور ان سے اس سلسلے میں مدد چاہیں۔

تینوں بھائی امام کے پاس آئے اور کہا: ہم تین بھائی ہیں۔ ہم نے اپنے والد سے وراثت میں سترہ اونٹ پائے ہیں اور ان کو ہمارے درمیان اس طرح بانٹنا ہے کہ بڑے بھائی کو آدھے ملیں، منجھلے کو تیسرا حصہ اور چھوٹے کو نواں حصہ۔ لیکن ہمارے لئے یہ تقسیم ممکن نہ تھی اس لئے آپ تک آئے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیں۔

امام نے فرمایا: کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں اپنا ایک اونٹ ان میں شامل

کردوں اور پھر تمہارے درمیان تقسیم کردوں؟

انہوں نے اجازت دی اس طرح اٹھارہ اونٹ ہو گئے۔

امام نے فرمایا: بڑے لڑکے کے لئے آدھے اونٹ ہیں اور اٹھارہ کا آدھا نو ہوتا ہے۔ وہ نو اونٹ لے لے۔ منجھلے کے لئے تیسرا حصہ ہے اور اٹھارہ کا تیسرا حصہ چھ ہوتا ہے وہ چھ اونٹ لے لے اور چھوٹے بھائی کے لئے نواں حصہ ہے اور اٹھارہ کا نواں حصہ دو ہوتا ہے وہ دو اونٹ لے لے۔ بڑے کے لئے نو، منجھلے کے لئے چھ اور چھوٹے کے لئے دو یہ کُل سترہ اونٹ ہوئے۔ پھر امام نے اپنا اونٹ واپس لے لیا اور اس طرح ان کی مشکل حل کر دی۔ (۳۷)

زندان میں کتّا

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ستر فقیہ علماء کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ جب اس کے بلائے ہوئے علماء دربار میں آگئے تو اس نے سب سے پہلے امام شافعی سے پوچھا۔ آپ کو امیر المومنینؑ کے فضائل کی کتنی احادیث زبانی یاد ہیں؟

امام شافعی نے کہا: مجھے امیر المومنینؑ کے فضائل کی کافی احادیث یاد ہیں۔

ہارون الرشید نے کہا: آپ احادیث کی تعداد تو بتائیں۔

امام شافعی نے کہا: مجھے تعداد بتاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے؟

ہارون نے کہا: آپ کو یہ خوف کس سے ہے؟

امام شافعی نے کہا: مجھے آپ سے ہی خوف محسوس ہوتا ہے۔

ہارون نے کہا: آپ کوڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ جو چاہیں کھل کر بیان کریں۔

امام شافعی نے کہا: اگر یہ بات ہے تو مجھے فضائل امیر المومنینؑ کی چار سو سے لے کر پانچ سو تک احادیث زبانی یاد ہیں۔

پھر ہارون نے ایک اور عالم دین سے یہی سوال کیا تو اس نے کہا: مجھے قریباً ایک ہزار احادیث یاد ہیں۔

پھر ہارون نے یہی سوال امام ابو یوسف سے کیا تو اس نے کہا: مجھے فضائل امیر المومنینؑ کی پندرہ ہزار مستند اور پندرہ ہزار مُرسل احادیث یاد ہیں۔

پھر ہارون نے یہی سوال واقدی سے کیا تو اس نے بھی ابو یوسف کا سا جواب دیا۔

ہارون نے کہا: آپ کے پاس جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب آپ نے اپنے کانوں سے سنی ہیں جب کہ حضرت علیؑ کی فضیلت کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ چنانچہ تمام علماء اس حکایت کو سننے کے مشتاق ہوئے۔

ہارون نے کہا: ایک مرتبہ دمشق کے عامل نے مجھے خط لکھا کہ یہاں ہمارے قریب ایک خطیب رہتا ہے جو کہ امیر المومنینؑ کا بدترین دشمن ہے اور اس کی دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنی تقاریر میں امیر المومنین علیہ السلام کو سب وشتم کرتا ہے۔ میں نے اسے منع کیا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔ اب آپ حکم دیں کہ اس کے ساتھ مجھے کیا سلوک کرنا چاہیے؟

میں نے اپنے عامل کو جواب میں لکھا کہ تم اسے میرے پاس بغداد بھیج

دو۔ جب وہ خطیب یہاں آیا تو میں نے اسے نصیحت کی اور اس سے کہا: تمہیں امیر المومنین علیہ السلام سے کیا دشمنی ہے؟

اس نے کہا: علیؑ نے ہمارے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔

میں اس سے کہا: حضرت علیؑ نے تو خدا اور رسولؐ کے حکم سے ایسا کیا تھا۔

خطیب نے کہا: خواہ کچھ بھی ہو میں علیؑ بن ابی طالبؑ کا دشمن ہوں۔

میں نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ اسے اچھی خاصی سزا دیں اور سزا کے بعد زندان میں قید کر دیں۔

اسی رات عالمِ خواب میں مجھے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان سے اتر رہے ہیں اور ان کے پیچھے حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہراؑ، اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور جبریلؑ بھی تھے۔

میں نے دیکھا کہ یہ تمام حضرات میرے محل کی طرف آ رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ جبریلؑ امین کے ہاتھ میں کچھ پیالے ہیں جن میں پانی بھرا ہوا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیؑ کے شیعوں کو پکار پکار کر جنت کا پانی پلا رہے ہیں۔ یہاں میرے محل میں میرے تمام متعلقین کی تعداد پانچ ہزار ہے۔ ان میں سے نبی اکرمؐ نے صرف چالیس افراد کو جنت کا پانی پلایا۔

اس دوران حضرت علیؑ نے رسول خدا سے عرض کیا: یارسول اللہ! ذرا آپ اس خطیب سے تو پوچھیں کہ میں نے اس سے کیا برائی کی ہے جس کی وجہ سے یہ مجھے سب وشتم کرتا رہتا ہے؟

خطیب کو بلایا گیا۔ نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا: تجھے ایسا کرتے ہوئے شرم

نہیں آتی؟

پھر آنحضرتؐ نے اس کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔میں نے دیکھا کہ وہ خطیب مسخ ہوکر کتا بن گیا۔

میں خوف کے مارے نیند سے بیدار ہوگیا،اپنے خادم کو بلایا اور اس سے کہا کہ جاؤ جو شامی خطیب یہاں قید ہے اسے ہمارے پاس لاؤ تا کہ میں اسے بتاؤں کہ میں نے خواب میں کیا دیکھا ہے۔

چند لمحات بعد خادم سراسیمہ ہوکر میرے پاس آیا اور اس نے کہا: جناب! زندان میں تو کوئی نہیں ہے البتہ ایک کتا وہاں موجود ہے۔میں نے کہا: اس کتے کو لاؤ جب اس کتے کو میرے سامنے لایا گیا تو میں نے دیکھا کہ خدا نے اس کو مسخ کردیا ہے اس کے کان انسان جیسے اور باقی وجود کتے جیسا تھا۔

آج میں نے آپ حضرات کو یہاں اس لئے بلایا ہے کہ آپ بھی اپنی آنکھوں سے دشمنِ علیؑ کا حشر دیکھ لیں۔

پھر ہارون نے حکم دیا کہ اس کتے کو یہاں لایا جائے۔ہارون کے نوکر اس کو رسیوں میں باندھ کر دربار میں لے آئے۔

امام شافعی نے کہا کہ اس خطیب پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے اور یہ تین دنوں سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا۔اسے یہاں سے واپس کردو تا کہ کہیں ہم اللہ کی گرفت میں نہ آجائیں۔

ہارون کے نوکر اس کتے کو دوبارہ زندان میں لے گئے۔ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ زندان سے عجیب آواز بلند ہوئی جب لوگ دیکھنے کیلئے گئے تو دیکھا

زندان کی عمارت گر چکی تھی اور وہ کتا جل چکا تھا۔ (۳۸)

پر تکلف دستر خوان

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ایک عرب سردار کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔

جب وہ آپ کے پاس آیا تو اس کے لئے دستر خوان بچھایا گیا۔ جس پر انواع واقسام کی نعمات رکھی گئیں۔

عرب سردار کا ہاتھ دستر خوان کی طرف نہ بڑھا اور کہنے لگا کہ میں کچھ بھی نہیں کھاؤں گا۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مہمان سے فرمایا کہ آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے کہا کہ کچھ دیر پہلے میں نے ایک غریب ترین شخص کو دیکھا ہے اور جب میرے لئے دستر خوان بچھایا گیا تو مجھے اس کی غربت یاد آ گئی جس کی وجہ سے میرا جی کھانے سے اُچاٹ ہو گیا۔ اگر آپ اس دستر خوان کی نعمات میں سے کچھ حصہ اس کے پاس بھجوانے کا وعدہ کریں تو پھر میں آپ کے ہاں کھانا کھاؤں گا۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ غریب ترین شخص کون تھا؟ اس نے کہا کہ میں آپ کے یہاں آنے سے قبل نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں گیا وہاں میں نے اس غریب انسان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے ایک تھیلی کھولی اس کی غذا جو کی سوکھی روٹیوں اور پانی پر مشتمل تھی۔ اس نے مجھے بھی اپنے

ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دی لیکن میں اس طرح کی چیزیں کھانے کا عادی نہیں ہوں اس لئے میں نے معذرت کرلی۔ آپ مہربانی کریں اور اس شخص کے لئے کچھ طعام یہاں سے روانہ کریں۔

یہ سن کر امام حسن مجتبیٰ رونے لگے اور فرمایا: یہی تو میرے والد امیر المومنینؑ وخلیفۃ المسلمین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں اور اس دستر خوان پر جو بھی طعام ہے وہ ان کی برکتوں کا ہی ثمر ہے۔

قارئین کرام! جب حضرت علیؑ پورے عالمِ اسلام کے حکمران تھے تو اس وقت بھی آپ غریب ترین فرد کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور ایسی غذا استعمال کیا کرتے تھے۔

قران کی وہ آیت جس پر مولا علیؑ کے علاوہ کسی نے عمل نہیں کیا تھا

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیامِ مدینہ کے دوران بعض لوگ آپ کے پاس آتے اور وہ آپ سے طویل سرگوشی کیا کرتے تھے۔ کچھ دولت مند افراد تو اپنی نمود ونمائش کے لئے کافی دیر تک آنخضرتؐ سے سرگوشی کرتے رہتے تھے اور غریب لوگوں کو وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ وہ اپنا مدعا آنخضرتؐ کی خدمت میں بیان کرسکیں۔

آنخضرت بردباری، صبر و محبت کا سمندر تھے چنانچہ لوگوں کو اس طرح کی

سرگوشی سے منع کر کے کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قران مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

یاایھالذین امنوا اذاناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقة ذٰلک خیر لکم و اطھر فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم ٥ (المجادلہ، آیت ۱۲)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نبی سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو تو پھر اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس حکم سے اللہ نے مسلمانوں کا امتحان لیا۔ اس آیت کے نزول کے بعد آنخضرتؐ سے سرگوشی کرنے کیلئے کوئی بھی نہ آیا جس سے عملی طور پر واضح ہو گیا کہ رسول کی سرگوشی سے زیادہ انہیں دنیا عزیز تھی۔

امیرالمومنین علیہ السلام وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے اس آیت مجیدہ پر عمل کیا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کے پاس سونے کا ایک دینار تھا آپ نے اسے تبدیل کر کے دس درہم لیے۔ آپ جب بھی نبی اکرمؐ سے سرگوشی کرنا چاہتے تھے تو ایک درہم صدقہ میں دیتے تھے اور یوں آپ نے دس درہم راہ خدا میں صدقہ دے کر دس بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کی۔ امیرالمومنین فرماتے ہیں: میں دس بار رسولؐ کے پاس گیا اور ہر مرتبہ نئی نصیحت حاصل کی۔

اس آیت مجیدہ کے نزول کی وجہ سے لوگوں کی سرگوشیاں ختم ہو گئیں اور حبیب خدا کو آرام و سکون نصیب ہوا۔

دس دن کے بعد اللہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ اس سے آزمائش کا مقصد پورا ہو گیا اور امیر المومنینؑ کی فضیلت کھل کر سامنے آ گئی۔

عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میرے والد کہا کرتے تھے کہ حضرت علیؑ کو تین ایسی خصوصیات حاصل ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی حاصل ہوتی تو میں اسے اپنے لئے بڑی فضیلت تصور کرتا۔

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خیبر میں فرمایا تھا: **سأعطی الرایة غدا الرجل یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله کرارا غیر فرار.**

ترجمہ: کل جسے میں علم دوں گا وہ مرد ہوگا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہوں گے۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا۔ بھاگنے والا نہیں ہوگا۔

اس رات میں نے پرچم ملنے کی بڑی تمنا کی تھی لیکن صبح کے وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اسلام کا پرچم عطا کیا تھا۔

۲۔ آیت نجویٰ پر حضرت علیؑ کے علاوہ کسی کو عمل کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

۳۔ رسول خدا نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا عقد ان سے کیا۔

خود امیر المومنین علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ تمہیں قران مجید میں ایک آیت ایسی بھی ملے گی جس پر میرے علاوہ مجھ سے پہلے اور میرے بعد کسی نے عمل نہیں کیا اور وہ آیت آیتِ نجویٰ ہے۔(۳۹)

شیطان کی دعا

کتاب المناقب کی روایت کے مطابق علی بن محمد الصوفی سے منقول ہے۔

اس نے کہا کہ میں نے شیطان کو سمندر میں دیکھا جس نے اپنا سر اوپر اٹھایا ہوا تھا اور وہ یہ کہہ رہا تھا: پروردگار! تجھے امیر المومنین علیہ السلام کے حق کی قسم! مجھے عذاب نہ دینا۔

میں نے شیطان سے کہا: کیا تو بھی علیؑ کی پناہ چاہتا ہے؟

شیطان نے کہا: میں عالم بالا میں ملائکہ کے ساتھ تخلیق آدمؑ سے قبل چھ ہزار سال رہ چکا ہوں۔ اسی لئے میرے پاس معلومات کا ایک ذخیرہ موجود ہے اور میں ایسی بہت سی باتیں جانتا ہوں جو تم کبھی نہیں جان سکتے۔ چنانچہ میں جانتا ہوں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کو خدا کی بارگاہ میں عظیم مقام حاصل ہے اور حضرت علیؑ خدا کو اتنے پیارے ہیں کہ اگر کوئی شخص خدا کو ان کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اللہ اس کے سوال کو کبھی رد نہیں کرتا اور اس پر رحم کرتا ہے۔ اسی لئے میں نے بھی خدا کو شمسِ ولایت کے حق کی قسم دی ہے۔

میں نے کہا: ابلیس! تو ایک طویل عرصہ تک عالم بالا میں رہا ہے اور تیری معلومات بہت وسیع ہیں۔۔۔۔۔ مجھے بھی کوئی نصیحت کر۔

ابلیس نے کہا: میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں جس سے تیری دنیا سدھر سکتی ہے اور ایک اور بات کہتا ہوں جس سے تیری آخرت سدھر سکتی ہے۔

اگر تو چاہتا ہے کہ دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرے تو پھر قناعت اختیار کر۔ اگر تو نے قناعت اختیار کر لی تو سوکھی روٹی کھا کر بھی تجھے سکون ملے گا اور اگر

تو نے قناعت کو چھوڑ دیا اور خدا کی تقسیم پر راضی نہ ہوا تو دنیا جہاں کے خزانے پا کر بھی تو پریشان رہیگا۔

اور اگر تو آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کے عقیدہ کو اپنا لے۔ ولایت علیؑ کا عقیدہ نزع، قبر، برزخ، عرصہ محشر، صراط اور میزان کے وقت تجھے فائدہ پہنچائے گا اور جب تو علیؑ کے ذریعہ پناہ طلب کرے گا تو تجھے خدا کی طرف سے امان ملے گی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔

امامؑ نے فرمایا: وہ خبیث اوپر ہی اوپر سے خدا کو واسطے دیتا ہے جب کہ اس کے دل کی گہرائیوں میں حضرت علیؑ کی محبت موجود نہیں ہے۔ اس لئے اسے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا ہاں اگر وہ دل کی گہرائیوں سے امیر المومنین علیہ السلام کے ذریعہ سے پناہ طلب کرتا تو وہ عذاب الٰہی سے ضرور محفوظ رہتا۔ (۴۰)

ایک دشمن علی کا انجام

شیخ مفید کے عہد میں شہر بغداد میں ایک کتب فروش رہتا تھا جس کا نام ''جعفر بن محمد الدوریستی'' تھا۔

ایک دن شیخ مفید کتابیں لینے گئے تو کتب فروش نے ان سے کہا: شیخ! آپ رُک جائیں میں ایک معجزہ کا عینی شاہد ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ وہ معجزہ آپ کے

سامنے بیان کروں۔

یہ سن کر شیخ مفید بیٹھ گئے اور جعفر بن محمد کتب فروش نے یہ واقعہ سنایا: میں اور میرا ایک دوست ہم دونوں روزانہ ایک محدث کے پاس جا کر احادیث کا علم حاصل کرتے تھے۔ ہمارے استاد کا نام ابوعبداللہ محدث تھا۔ ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ وہ شخص امیر المومنین علیہ السلام کا دشمن ہے وہ کبھی درس حدیث دیتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف ناسزا باتیں کہتا تھا۔ ہم نے اسے بہت نصیحت کی لیکن وہ اپنے طرز عمل سے باز نہ آیا اور کہا کہ میں اپنی روش سے باز نہیں آؤں گا۔

ایک دن ہم شیخ کے ہاں پڑھنے گئے تو اس نے دوران گفتگو حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا کی توہین کی۔ اس کے بعد ہم نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ اس بد بخت کے پاس پڑھنے کے لئے نہیں جائیں گے۔

اس رات مجھے خواب میں شمس ولایت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ اس شیخ ابوعبداللہ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''میں نے تجھ سے کیا برائی کی ہے، کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ وہ تجھے نابینا کر دے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے یہ کہہ کر اس کی دائیں آنکھ کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً اس کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔

صبح کے وقت میں اپنے دوست کے گھر کی طرف گیا اور میں چاہتا تھا کہ میں اپنے دوست کو رات کا خواب سناؤں پھر ہم دونوں مل کر شیخ کے پاس جائیں اور اسے جا کر نصیحت کریں۔

میرا دوست بھی صبح کے وقت میری جانب آ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میں تیری ہی جانب آ رہا تھا اور میں تجھے ایک عجیب خواب سنانا چاہتا تھا۔

پھر اس نے مجھے وہی خواب سنایا جو میں نے دیکھا تھا۔

اس کے بعد ہم دونوں شیخ کے گھر کی طرف چل پڑے تا کہ اسے اللہ کے غضب سے ڈرائیں۔

ہم نے دروازے پر دستک دی تو اس کی بیوی نے کہا کہ آج شیخ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے۔

ہم نے کہا: ہمیں شیخ سے خاص کام ہے اور اس سے ملنا ہے۔

عورت نے جواب دیا: وہ بیمار ہے اور کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

جب ہم نے اس کی بیماری کے بارے میں پوچھا تو عورت نے جواب دیا: جب وہ صبح اٹھا تو اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور درد سے چیخ رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا: مجھے امیر المومنین نے اندھا کر دیا۔

ہم نے اس سے کہا: دروازہ کھولو تا کہ ہم اس معاملہ کو دیکھیں۔ جب ہم اندر داخل ہوئے اور شیخ کے قریب پہنچے تو اس نے کہا: تم نے دیکھا کہ میں امیر المومنین کی وجہ سے اندھا ہو گیا؟ ہم نے اس سے کہا: ہم اس واقعے کو خواب میں دیکھ چکے ہیں۔ امیر المومنینؑ کی دشمنی سے ہاتھ اٹھاؤ ممکن ہے کہ وہ تمہاری سفارش اللہ سے کریں اور وہ تمہیں معاف کر دے۔

ابو عبداللہ نے جواب دیا: اگر میری دوسری آنکھ بھی ضائع ہو جائے پھر بھی

میں علیؑ کی مخالفت اور عداوت سے باز نہیں آؤں گا۔

ہم افسوس کرتے ہوئے اس کے گھر سے نکلے۔ اگلی رات ہوئی تو ہم دونوں نے خواب میں دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس کی دوسری آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دوسری آنکھ سے بھی اندھا ہو گیا۔

دوسرے دن ہم شیخ کی خیریت معلوم کرنے گئے تو وہ مکمل طور پر اندھا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی جہالت سے تا مرگ باز نہیں آیا۔ (۴۱)

جی ہاں! یہ اہل بیتؑ کی دشمنی کی دنیاوی سزا ہے جب کہ آخرت میں ان لوگوں کے لیے دوزخ کا ہولناک عذاب ہے۔

معنوی رابطہ

علامہ مجلسی بحار الانوار میں رقم طراز ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ایک ساتھی کا نام ''رُمَیلہ'' تھا۔ رُمیلہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب میں کوفہ میں تھا اور امیر المومنین علیہ السلام بھی کوفہ میں تشریف فرما تھے اس دوران میں سخت بیمار ہوا۔ بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنے کے قابل نہ رہا۔ چند دن یونہی گزرے یہاں تک کہ ایک جمعہ کے دن میں نے اپنے آپ کو بہتر پایا۔ میں نے غسل کیا اور نماز کے لئے گھر سے چل پڑا۔ ابھی نماز شروع نہیں ہوئی تھی آپ مصروفِ خطبہ تھے کہ مجھے بخار کی کپکپی شروع ہوئی۔ میں اپنے آپ پر جبر کر کے بیٹھا رہا یہاں تک کہ نماز مکمل ہوئی۔

نماز کے بعد میں امیر المومنینؑ کے پیچھے چلنے لگا۔ جب آپ کی مجھ پر نگاہ پڑی تو آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: رملیہ! تمہیں نماز کے دوران کیا ہو گیا تھا؟

میں نے عرض کیا: مولا! مجھے بخار چڑھا تھا جس کی وجہ سے کپکپی شروع ہوئی تھی اور اسی بخار کی وجہ سے میں چند دنوں تک نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہو سکا تھا آج ذرا کچھ طبیعت سنبھلی تو میں نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو گیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''رملیہ! جب بھی کوئی مومن بیمار ہوتا ہے تو اسکی بیماری کی وجہ سے ہم بیمار ہوتے ہیں، جب کوئی مومن غمگین ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے ہم بھی غمگین ہوتے ہیں اور جب کوئی مومن دعا مانگتا ہے تو ہم ''آمین'' کہتے ہیں''۔

رملیہ نے عرض کیا: یہ خوش خبری صرف آپ کے حاضرین مجلس کے لئے مخصوص ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! ہمارے لئے مشرق ومغرب دونوں برابر ہیں اور اس کے برعکس یہ بھی یاد رکھو دشمنانِ اہل بیت کی ارواح انتہائی حقیر اور رذیل ہوتی ہیں اسی لئے ضروری ہے کہ وہ حقیر ورذیل اجسام میں قیام کریں۔ ہر زنازادہ اور ہر ولد الحیض ایک دوسرے کا خیر خواہ ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارا دشمن یا تو حرام زادہ ہوگا یا پھر وہ ولد الحیض ہوگا۔ (۴۲)

فدک

''فدک'' حجاز کا ایک قریہ ہے۔ فدک اور مدینہ میں دو دن کی مسافت ہے۔ یہ قریہ خیبر کے قریب ہے۔ اس میں قدرتی چشمے اور کھجوریں پائی جاتی ہیں۔ اس کی سالانہ پیداوار ایک لاکھ دینار کی ہوتی تھی جب کہ ہر دینار سونے کے ایک مثقال کے مساوی ہوتا تھا۔

اس قریہ میں یہودی رہتے تھے۔ جنہیں مسلمانوں کی رعیت بن کر رہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ جب مسلمانوں نے یہودیوں کے مضبوط مرکز خیبر کو فتح کیا تو انہیں اپنے لئے خطرہ محسوس ہوا۔ اسی لئے انہوں نے جنگ کرنے کی بجائے آنحضرتؐ سے مصالحت کا فیصلہ کیا۔ ان کا نمائندہ وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور انہوں نے آپ سے اس شرط پر مصالحت کی کہ انہیں ان کے وطن سے جلاوطن نہیں کیا جائے گا اور وہ اسلامی حکومت کے ذمی بن کر رہیں گے اور ان میں سے ہر شخص اپنا تہائی مال نبی اکرمؐ کو پیش کرے گا اس کے عوض اسے امان حاصل ہوگی اور ان کی تمام زمین رسول خدا کی ملکیت ہوگی۔

اسلام کا ایک قانون ہے کہ جس سرزمین پر لڑائی سے قبضہ ہو تو وہ مسلمانوں کی ملکیت قرار پاتی ہے البتہ اس میں سے خمس علیحدہ کرلیا جاتا ہے اور جو سرزمین کسی لڑائی بھڑائی کے بغیر حاصل ہو وہ خالصتاً رسول خدا کی ملکیت ہوتی ہے۔

چنانچہ یہودِ فدک سے معاہدہ کے بعد فدک کی پوری زمین حضرت رسول خدا کی ملکیت بن گئی۔

فدک کے قریب ایک اور جائیداد تھی جسے ''عوالی'' کہا جاتا تھا۔ اس میں پانچ مواضعات تھے۔ یہ ایک یہودی کی جاگیر تھی۔ جس کا نام ''فخریق'' تھا (علامہ مرتضیٰ عسکری کی تحقیق کے مطابق اس کا نام ''مخریق'' تھا)۔

وہ جنگ احد سے قبل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور مسلمان ہوگیا۔ اس نے اپنی تمام جائیداد آنحضرت کو ہبہ کردی تھی۔

پھر وہ آنحضرتؐ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوا اور اس جنگ میں شہید ہوگیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا:

''فخریق'' جنتی ہے اگر چہ اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔''

عوالی فدک کی پیداوار سالانہ ستر ہزار مثقال سونا ہوتی تھی۔

اس دوران اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مـاافـاء الـلـه علی رسوله من اهل القریٰ فلله وللرسول ولذی القربیٰ...... (الحشر، آیت ۷)۔

''بستیوں والوں کی طرف سے جو مال فے ملا ہے وہ اللہ اور رسول اور اس کے رشتہ داروں کی ملکیت ہے''۔

رسول اکرمؐ نے جبریلؑ امین سے دریافت فرمایا: میرے اقرباء سے کون مراد ہیں اور ان کا ''حق'' سے کیا مراد ہے؟

حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ اللہ چاہتا ہے کہ آپ اپنی صاحبزادی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو فدک ہبہ کردیں۔

اس فرمان الٰہی کے تحت پیغمبر اسلامؐ نے اپنی صاحبزادی کو فدک ہبہ کردیا

اور آنحضرتؐ کی زندگی میں پورے تین سال تک فدک کی جائیداد حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے زیر تصرف رہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کچھ ملازم مقرر کر دیئے تھے جو فدک کی کمائی جمع کر کے حضرت خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

حضرت علیؑ اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے پاس اس سے بہت بڑی رقم جمع ہوتی تھی جسے وہ غرباء ومساکین میں تقسیم کر دیتے تھے اور اس میں سے خود کچھ نہیں لیا کرتے تھے۔ اسی سبب سے ان کا فرش دنبے کی کھال کا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی یہ حالت تھی کہ آپ ہمیشہ ایک کہنہ ردا اوڑھا کرتی تھیں۔

بہر حال فدک کی جائیداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں تین برس تک حضرت سیدہؑ کے قبضہ میں رہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے علاوہ اور کوئی میراث نہیں چھوڑی تھی۔ حضرت سیدہ نے اپنی زندگی میں اس جائیداد کی وصیت اپنی اولاد کیلئے کی تھی اور آپ نے فرمایا تھا کہ اس جائیداد کے ناظم ان کے شوہر ہوں گے، ان کے بعد حسنِ مجتبیٰ اس کے نگران ہوں گے اور ان کے بعد امام حسینؑ اس جائیداد کی نگرانی کریں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا: اس جائداد سے کثیر آمدنی ہوتی ہے جو لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے تو وہ ان کے شیعہ اور پیروکار ہو جائیں گے۔ اور اس طرح ہماری خلافت کو استقرار حاصل نہیں ہوگا۔ ہمیں چاہیے کہ کسی بھی طریقے سے اس پر قبضہ کر لیں۔

صاحب اقتدار کو اپنے مشیر کا یہ مشورہ پسند آیا اور اس نے بی بی کے ملازمین کو وہاں سے بے دخل کر کے سرکاری ملازمین وہاں پر تعینات کر دیئے۔

شیخین کے دور میں فدک کی جائیداد حکومتی قبضہ میں رہی اور جب خلیفہ ثالث برسر اقتدار آئے تو انہوں نے یہ جائیداد اپنے چچازاد مروان بن الحکم کو ہبہ کردی اور یہ بنی امیہ کے ہاتھوں میں رہی یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی۔

عمر بن عبدالعزیز ایک صالح حکمران تھے۔ انہوں نے اپنے ایامِ خلافت میں مفید امور انجام دیئے۔ ان میں سے ایک کام یہ تھا کہ انہوں نے منبروں پر سے حضرت علیؑ پر سب وشتم کا سلسلہ بند کر دیا۔ اور دوسرا یہ کہ فدک اولادِ فاطمہ الزہراؑ کو واپس کیا اور اسے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا۔

عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد جب یزید بن عبدالملک برسرِ اقتدار آیا تو اس نے اولادِ سیدہؑ سے وہ جائیداد دوبارہ چھین لی۔

پھر ابوالعباس سفاح نے جائیداد فدک اولاد سیدہؑ کو واپس کی۔ لیکن اس کے بعد عباسی خلیفہ منصور دوانیقی نے اسے پھر چھین لیا۔

پھر مہدی عباسی نے یہ جائیداد اہل بیت کو واپس کی۔ لیکن ہارون الرشید نے اسے دوبارہ غصب کرلیا۔ یہاں تک کہ خلافت مامون الرشید تک پہنچی۔

مامون الرشید نے اپنے دور حکومت میں سنی اور شیعہ علماء کو جمع کرایا اور اس مسئلہ پر کھلی بحث کرائی۔ اس مباحثہ میں شیعہ علماء کا پلہ بھاری رہا۔ جس کی وجہ سے مامون نے امام علی رضاؑ کو فدک واپس کیا۔

امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد یہ جائیداد امام محمد تقی علیہ السلام کے ہاتھوں میں رہی۔

بعد ازاں متوکل عباسی نے اسے آل محمدؐ سے چھین لیا۔ یوں یہ جائیداد اہل

اقتدار میں گیند کی طرح سے گردش کرتی رہی جس پر کبھی حکمراں قابض ہوتے تھے اور کبھی اس کے اصل وارثوں کے سپرد کرتے تھے۔

اس ساری ردوبدل کو گردشِ دنیا کا ہی نام دیا جاسکتا ہے۔ (۴۳)

خدا کی پیاری خاتون

حضرت ام ایمنؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہؑ بنت وہب کی کنیز تھیں۔ حضرت آمنہؑ کی وفات کے بعد باقی ترکہ کی طرح رسول خدا ان کے وارث بنے۔ نبی اکرمؐ نے انہیں آزاد کردیا تھا۔ بی بی کی ایک جگہ شادی ہوئی جس سے انہیں ''ایمن'' نامی بیٹا پیدا ہوا۔

آزادی پانے کے بعد بھی ام ایمنؑ نے پیغمبر اسلامؐ کا گھر چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ وہ آنحضرتؐ اور حضرت زہراؑ کی خلوص دل سے خدمت کرتی تھیں۔ بی بی کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شوہر کی وفات کے بعد فرمایا تھا جو کوئی کسی جنتی عورت سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوتو وہ ''ام ایمن'' سے شادی کرے۔

آنحضرتؐ کا یہ فرمان سن کر حضرت زیدؓ بن حارثہ نے ان سے نکاح کیا تھا جس سے ''اسامہؓ'' پیدا ہوئے۔

ام ایمنؑ کو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ سے اس درجہ محبت تھی کہ سیدہؑ کی وفات کے بعد وہ مدینہ نہ ٹھہر سکیں۔ وہ کہتی تھیں میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مکان کو

اپنی آنکھوں سے خالی نہیں دیکھ سکتی۔

حضرت ام ایمنؓ حج پر گئیں اور وہ ایک صحرا سے پیدل گزر رہی تھیں کہ ان پر بھوک پیاس کا غلبہ ہوا اور آپ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑیں۔اس وقت آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر یہ جملے کہے:

پروردگار! کیا میں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی خادمہ نہیں ہوں؟ اور کیا میرے مقدر میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ میں پیاسی مر جاؤں؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان کی دعا قبول فرمائی اور اچانک غیب سے ان کے سامنے ایک جام نمودار ہوا۔بی بی نے پانی پیا۔وہ پانی انتہائی لذیز اور میٹھا تھا جس کی وجہ سے ان کی بھوک پیاس ختم ہوگئی۔

علمائے اہل سنت بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد بی بی ام ایمنؓ سات سال زندہ رہیں اور اس دوران انہیں پانی پینے کی احتیاج نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ یہ کہتی تھیں کہ مجھے یہ نعمت حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی برکت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔(۴۴)

بابرکت گلوبند

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھا اعرابی آیا اور سلام کے بعد اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بھوکا، بے لباس اور کمزور ہوں آپ میری مدد فرمائیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا:

''افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس تیرے دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے البتہ میں ایک دروازے تک تیری رہنمائی کرتا ہوں اور یہ امید رکھتا ہوں کہ اس در سے تیری مشکل حل ہو جائے گی''۔

پھر آپ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: اس بوڑھے کی میری بیٹی فاطمہ زہراؑ کے دروازے پر لے جاؤ۔

حضرت ابوذرؓ اس بوڑھے کو ساتھ لے کر حضرت سیدہؑ کے دروازے پر آئے۔ اس شخص نے بی بی سے عرض کیا کہ آپ کے والد نے مجھے آپ کے دروازے پر بھیجا ہے۔ آپ میری مدد فرمائیں۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں اس وقت بھیڑ کی ایک کھال کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ آپ اس کھال پر حسنین کریمین کو سلایا کرتی تھیں۔ آپ نے وہی کھال اٹھائی اور سائل کو دے کر فرمایا: تم یہ کھال لے لو۔ اللہ تمہارے لئے آسانی پیدا کرے گا۔

جب بوڑھے نے اس کھال کو دیکھا تو وہ رونے لگا اور اس نے کہا: بی بی! یہ کھال مجھے کیا فائدہ پہنچائے گی؟

اس وقت حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو وہ گلوبند یاد آیا جو انہیں حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی نے تحفہ میں بھیجا تھا۔ آپ نے وہ گلوبند سائل کو دیدیا۔

سائل نے گلوبند لیا اور مسجد میں آگیا اور کہنے لگا: تم میں سے کون ہے جو مجھ سے یہ گلوبند خریدے اور اس کے عوض میری ضروریات پوری کرے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اسے کتنے میں بیچو گے؟

سائل نے کہا: میں اس کے عوض پیٹ بھر کھانا، ایک گھوڑا، ایک چادر اور کچھ دینار لینے کا خواہش مند ہوں۔

عمار بن یاسرؓ بھی اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا میں تمہیں تمہاری مطلوبہ قیمت دینے پر آمادہ ہوں۔ تم یہ گلوبند میرے سپرد کر دو۔

عمار یاسرؓ اس سائل کو لے گئے اسے کھانا کھلایا نئے کپڑے پہنائے اور ایک گھوڑا دیا اور اس سے حضرت سیدہؑ کا گلوبند لے لیا۔

پھر عمار یاسرؓ نے گلوبند کو خوشبو لگائی اور اپنے غلام کو وہ گلوبند دے کر فرمایا۔ تم یہ گلوبند حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور آج سے تم میرے غلام نہیں ہو بلکہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہو۔

غلام نے وہ گلوبند لیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا اور عمار یاسرؓ کا پیغام آپ تک پہنچایا۔

حضرت خاتم الانبیاء نے فرمایا کہ تم یہ گلوبند میری نور نظر سیدہؑ کے ہاں لے جاؤ اور تم آج سے میرے بجائے ان کے غلام ہو۔

غلام نے وہ گلوبند لیا اور حضرت سیدہؑ کے حضور پیش کیا اور عرض کیا کہ بی بی میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے وہ گلوبند رکھ لیا اور غلام کو آزاد کر دیا۔ غلام کو آزادی ملی تو وہ مسکرانے لگا۔ بی بی نے مسکراہٹ کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: میں اس گلوبند کی برکت پر مسکرا رہا ہوں۔ اس گلوبند کی وجہ سے بھوکے کو کھانا ملا، بے لباس کو

لباس ملا، پیدل کو سواری ملی، ایک غلام کو آزادی ملی اور وہ گلوبند اپنی مالکہ کے پاس بھی پہنچ گیا۔(۴۵)

آسمانی دسترخوان

ایک دن حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین علیہ السلام کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے حضرت سیدہؑ کو دیکھا کہ وہ انتہائی کمزور اور لاغر ہو چکی تھیں ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے دکھائی دے رہے تھے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: جانِ پدر! تمہاری یہ حالت کیوں ہوئی ہے؟

حضرت سیدہؑ نے عرض کیا: بابا جان! ہم تین دن سے بھوکے ہیں اس دوران ہم نے کچھ نہیں کھایا۔

نبی اکرمؐ حسنین کریمین علیہما السلام کے ساتھ کھیلنے لگے۔ اس اثنا میں امیر المومنین علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت سیدہؑ اٹھ کر اور محراب عبادت میں گئیں اور دو رکعت نماز پڑھی۔

نماز کے بعد آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: پروردگار! تیرا نبی ہمارا مہمان بن کر آیا ہے۔ خدایا! تو نے بنی اسرائیل پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا تھا لیکن انہوں نے تیری نعمت کی ناقدری کی تھی۔ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔ ان شاء اللہ ہم شکر گزاری کریں گے۔

حضرت سیدہؑ کی دعا جیسے ہی مکمل ہوئی اسی وقت ایک دسترخوان نمودار ہوا

جس میں بہترین طعام موجود تھا اور وہ اتنا خوشبودار تھا کہ سارا گھر اس کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

حضرت سیدہ بہت خوش ہوئیں اور اس دستر خوان کو اٹھا کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کا یہ اعجاز دیکھا تو آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا: میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے دنیا چھوڑنے سے قبل مجھے اپنی بیٹی کا وہ معجزہ دکھایا جو حضرت مریم علیہا السلام زکریا علیہ السلام کو دکھایا کرتی تھیں۔(۴۶)

مہمان نوازی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس اِثنا میں ایک شخص مسجد میں آیا اور اس نے بھوک کی سختی کی شکایت کی اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا کی کہ مجھے کھانا کھلائیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ازواج کے پاس بھیجا اور فرمایا: میری کسی زوجہ کے پاس اگر ایک شخص کا کھانا موجود ہو تو یہاں مسجد میں لے آؤ۔

وہ شخص کچھ دیر بعد حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی ازواج کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اسے اپنے گھر لے جائے اور اسے رات کا کھانا کھلائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آج رات کے لئے ہمارا مہمان ہے۔

پھر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس مہمان کو ساتھ لیا اور اپنے دروازے پر لے گئے۔ مہمان کو باہر کھڑا کر کے آپ اندر تشریف لے گئے اور آپ نے حضرت سیدہ سے فرمایا: کیا گھر میں ایک مہمان کے لئے کھانا ہے؟

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے عرض کیا: گھر میں صرف ایک فرد کے لئے طعام موجود ہے اور میں یہ طعام اپنی صاحبزادی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کو کھلانا چاہتی تھی۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: بہتر ہو گا کہ آپ بچی کو سلا دیں۔ اور چراغ بجھا دیں تاکہ مہمان کو پتہ نہ چلے کہ کھانا کم ہے۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے بچی کو سلانے کے لئے گود میں اٹھالیا اور امام علیؑ نے دستر خوان مہمان کے لئے بچھا دیا۔

مہمان نے جی بھر کر کھانا کھایا اور تھوڑا سا کھانا بچ گیا۔ مہمان نے ہاتھ اٹھا کر کہا: خدا تمہارے کھانے میں برکت ڈالے۔ پھر وہ وداع ہوا اور گھر سے چلا گیا۔

اس ایثار اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بدولت اس کھانے میں خدا نے اتنی برکت دی کہ گھر کے افراد بشمول نوکرانی سب نے جی بھر کر کھانا کھایا لیکن طعام میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السلام کے اس کردار کو قران میں سراہتے ہوئے فرمایا:

و یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ (الحشر آیت ۹)۔

ترجمہ: وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔ (۴۷)

شفاعت جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن تمام لوگ قبور سے اٹھائے جائیں گے اور عرصہ محشر میں جزاوسزا کے لئے جمع کئے جائیں گے اس وقت باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا آئے گی:

لوگو! اپنی آنکھوں کو جھکالو اور گردنیں نیچی کرلو تا کہ فاطمہؑ بنت محمدؐ یہاں سے گزر سکے۔

پھر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا عرصہ محشر میں داخل ہوں گی۔ پچاس ہزار فرشتے اور ایک ہزار حوریں آپ کا استقبال کریں گی اور آپ اس شان سے جنت میں داخل ہوں گی۔ جنت میں آپ کے دو محل ہوں گے ایک سفید رنگ کا ہوگا جس میں ستر ہزار حجرے ہوں گے اور دوسرا محل زرد رنگ کا ہوگا اس میں بھی ستر ہزار حجرے ہوں گے۔

اس دوران خدا کی طرف سے ایک فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور وہ یہ کہے گا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو آپ چاہیں وہ میں آپ کے لئے حاضر کردوں۔

اس وقت حضرت سیدہؑ فرشتہ سے کہیں گی: اللہ نے مجھ پر اپنی نعمت تمام کی ہے میری اس سے یہی درخواست ہے کہ وہ میری اولاد اور میری اولاد کے شیعوں کے لئے میری شفاعت قبول فرمائے۔ آج مجھے ان شیعوں کی شفاعت کرنا ہے جنہوں نے میری اولاد سے محبت کی اور ان کی مدد کی تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی شفاعت قبول

فرمائے گا۔

اس وقت حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کہیں گی: اس خدا کے لئے حمد ہے، جس نے مجھ سے غم دور کیا اور میری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی۔ (۴۸)

ملاّ جعفر کی داستان

علامہ نوری رقم طراز ہیں کہ ملاّ جعفر بن ملاّ محمد حسین طبرستان کے ایک گاؤں ''تیلک'' کا رہنے والا تھا۔ وہ زیادہ تر نجف اشرف میں رہا کرتا تھا۔ اس کے علاقہ طبرستان میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی کئی افراد نے اسے اپنی طرف سے ''حج بدل'' کے لیے رقم دی اور کہا کہ اگر ہم مر جائیں تو ہماری نیابت میں تم حج کرنا۔

ملاّ جعفر نے لوگوں سے ''حج بدل'' کی رقم لے لی لیکن اس نے کسی کی طرف سے حج نہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد ملاّ بھی جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔

اس کا ایک دوست امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے کربلا معلیٰ آیا ہوا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ملائکہ عذاب نے ملاّ کے منہ میں آگ کی لگام ڈال رکھی ہے۔

جیسے ہی اس کا خواب تمام ہوا اسی وقت روضہ امام حسین علیہ السلام کے مینار سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔

خواب دیکھنے والا شخص حرم امام حسینؑ میں داخل ہوا اور اس نے ملا جعفر کی خطاؤں کی بخشش کی درخواست کی۔

بیس برس بعد اس شخص کو حج بیت اللہ کی سعادت پھر نصیب ہوئی۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد وہ زیارتِ قبرِ نبیؐ کے لئے مدینہ منورہ آیا۔ مدینہ پہنچ کر وہ بیمار ہوا اور بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ وہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ آخر کار لوگوں نے اسے محمل میں بٹھایا اور حرم کی زیارت کے لئے لے گئے۔ وہ لوگ طواف کر رہے تھے اس دوران اس نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے توسل کیا اور بنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: سیدہؑ! آج سے بیس برس قبل میں نے آپ کے فرزند کے حرم میں ملاّ جعفر کی بخشش کی درخواست کی تھی لیکن آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میری وہ دعا قبول بھی ہوئی یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس سفارش کی بناء پر اسے اسی وقت تندرستی عطا کی۔ چنانچہ وہ ضریح پیغمبر تک پہنچا اور اسے بوسہ دیا۔ اس رات اسے خواب میں ملاّ جعفر دکھائی دیا اور اس نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: میں بیس برس سے عذاب میں مبتلا تھا آج رات مجھے عذاب سے نجات نصیب ہوئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے میری شفاعت کی ہے اور سیدہؑ کی شفاعت کی وجہ سے خدا نے مجھ سے عذاب کو دور کیا ہے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے مجھے یہ عمامہ عطا کیا ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ عبا عنایت فرمائی ہے۔ (۴۹)

نمونۂ عمل

محترم خواتین! آپ حضرت خاتون جنت کی اتباع کریں اور سیدۃ کو ہی اپنے لئے اسوۂ کامل قرار دیں۔

﴿مزرعِ تسلیم را حاصل بتول، مادراں را اسوۂ کامل بتول۔

علامہ اقبالؔ، اضافہ من المترجم﴾

بڑے بڑے دولت مندوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی خواستگاری کی تھی اور ان میں سے ہر ایک کی یہ دلی تمنا تھی کہ یہ قیمتی جوہر ان کے دامن میں آ جائے۔

عبدالرحمان بن عوف عرب کا بہت بڑا دولت مند شخص تھا وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور آپؐ سے عرض کی:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی صاحبزادی کا مجھ سے نکاح کریں میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے دروازے سے لے کر اپنے دروازے تک میں حریر و دیبا کی چادریں بچھادوں گا جہاں آپ کی شاہزادی چلتی ہوئی آئے گی اور میں آپ کی صاحبزادی کو بہت زیادہ حق مہر دوں گا۔

اس کے علاوہ دوسرے دولت مند لوگوں نے بھی اس طرح کی درخواستیں کی تھیں لیکن نبی اکرمؐ نے سب کو یہی جواب دیا: میری بیٹی کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جہاں چاہے گا وہاں اس کا نکاح ہوگا۔

اللہ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی ہوئی کہ آپ اپنی بیٹی کا نکاح علیؑ

بن ابی طالبؑ سے کریں۔

اس فرمان الٰہی سے حضرت علی علیہ السلام کی دلی مراد برآئی۔ لیکن علی علیہ السلام کے پاس مال دنیا میں سے کچھ نہ تھا اور وہ اس بارے میں خجالت محسوس کررہے تھے۔ بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کا نکاح امام علیؑ سے کردیا۔ اور فرمایا: علی! یہ بتاؤ زہراؑ کے حق مہر دینے کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا:

۱۔ میرے پاس ایک زرہ ہے جسے میں جنگوں میں پہنتا ہوں۔

۲۔ میرے پاس ایک تلوار ہے جس سے میں جہاد کرتا ہوں۔

۳۔ میرے پاس ایک ناقہ ہے جس سے میں پانی بھر کر لاتا ہوں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تلوار تمہارے لئے ضروری ہے کیونکہ اس سے تم دشمن سے قتال کرتے ہو اور تمہارے لئے روزی کمانے کے لئے ناقہ کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن تمہیں اس وقت زرہ کی ضرورت نہیں ہے تم زرہ بیچ دو اور اس سے جو قیمت وصول ہو وہ میرے پاس لاؤ۔

حضرت علیؑ نے وہ زرہ پانچ سو درہم یا کچھ کم میں فروخت کی اور یہ رقم حضرت زہراؑ کا حق مہر بنی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے گھرداری کا ساز و سامان لے آئے؟

اس کے جواب میں ابوذرؓ، سلمانؓ اور کچھ دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور وہ گھر ہستی کا مختصر سامان لے آئے۔

اس روایت کے بیان کرنے سے ہمارا ہدف صرف یہ ہے کہ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول خدا نے اپنی صاحبزادی کی شادی کس سے کی اور کس طرح کی۔

وہ تمام افراد جو بیٹیوں کے باپ ہیں ان سے ہماری یہی درخواست ہے کہ آپ بیٹی کے رشتہ کے لئے دولت کو معیار نہ بنائیں اور مادہ پرستی کا ثبوت نہ دیں۔ بیٹیوں کا رشتہ کرتے وقت یہ دیکھیں کہ آپ کا داماد پرہیزگار بھی ہے یا نہیں ہے؟

نوجوانوں سے ہماری التجا ہے کہ جب وہ گھر بنائیں تو وہ یہ دیکھیں کہ ان کی ہونے والی شریک حیات دیندار بھی ہے یا نہیں ہے؟

اسی طرح سے ہم نوجوان بچیوں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ شادی کے لئے وہ یہ نہ دیکھیں کہ ان کا ہونے والا شریک زندگی ڈاکٹر یا انجینئر ہے بلکہ وہ یہ بھی دیکھیں کہ ان کے نکاح کا طلب گار نماز بھی پڑھتا ہے یا نہیں؟ اپنے لئے ان نوجوان کی طلبگاری کرو جو اللہ کی عبادت کرتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے ہوں نہ کہ ایسے اشخاص جو گناہوں پر اڑے ہوئے ہوں۔ (۵۰)

﴿ہمیں یقین ہے جب والدین اور زوجین دینداری کو ملحوظ رکھیں گے تو ان کے رشتے بابرکت ہوں گے اور پائیدار ثابت ہوں گے اور انہیں دنیا و آخرت کی سعادتیں نصیب ہوں گی۔ اضافہ از مترجم﴾

جسارت کا انجام

متوکل عباسی ایک بے حیا، منہ پھٹ شخص تھا اور اسے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے عداوت تھی۔ اس کا دربار فحش گوئی اور فاسقانہ اور رذیل باتوں سے گونجتا رہتا تھا اور یہ چیز اتنا بھیانک رخ اختیار کر چکی تھی کہ اس کے بیشتر وزیر اس کے دشمن ہو گئے تھے اور اس کا بیٹا ''المنتصر'' بھی ان میں شامل تھا۔

متوکل کی خباثت اتنی بڑھی کہ ایک مرتبہ اس نے بیٹے کے سامنے حضرت سیدہؑ کو سب وشتم کیا۔ منتصر ایک فقیہ کے پاس گیا اور اس سے فتویٰ طلب کیا اور پوچھا کہ اگر کوئی شخص بنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سب وشتم کرے تو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟

اس فقیہ نے جواب دیا: حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ان لوگوں میں سے ایک ہیں جن کی عصمت کی قران میں گواہی دی گئی ہے اگر کوئی اس پاکیزہ ہستی کے حضور جسارت کرتا ہے تو وہ گویا قران کا منکر ہے اور ایسا شخص کافر ہے اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

منتصر نے اس فقیہ سے کہا: آپ کے فتویٰ کے تحت میں اپنے والد کو قتل کروں گا کیونکہ میں نے اس ملعون سے خود سنا ہے کہ وہ حضرت صدیقہؑ طاہرہ کو گالیاں دے رہا تھا۔

فقیہ نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا قتل نہ صرف حلال بلکہ موجبِ ثواب ہے لیکن تم ایک بات سن لو اگر تم نے اپنے باپ کو قتل کیا تو تمہاری عمر کم ہو جائے گی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ منتصر نے اپنے لعین باپ کو قتل کر دیا اور باپ کے تخت پر بیٹھ گیا۔ لیکن چھ ماہ کے قلیل عرصہ کے بعد وہ خود بھی قتل ہو گیا۔ (۵۱)

جنت کی کھجوریں

حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ وفاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدمہ کی وجہ سے میں دس دن تک گھر سے باہر نہ نکلا۔ پھر دسویں دن امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کے لئے گیا۔ مجھے دیکھ کر آپؑ نے فرمایا: ''سلمان! بڑے سخت دل ہو گئے ہو وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تم نے ہم کو چھوڑ دیا اور ہمیں ملنے کے لئے نہیں آئے''۔

میں نے عرض کیا: مولا! وفاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم سے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے گویا میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: تم فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس جاؤ وہ تمہیں یاد کر رہی ہیں اور ان کے پاس تمہارے لئے ایک آسمانی ہدیہ ہے۔ یہ سن کر میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے حضور پیش ہوا جب سیدہ سلام اللہ علیہا نے مجھے دیکھا تو آپؑ نے فرمایا: سلمان! والد محترم کی وفات کے بعد تم نے ہمارے پاس آنا ہی چھوڑ دیا ہے!

میں نے عرض کیا: سیدہ سلام اللہ علیہا! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا دکھ اتنا زیادہ تھا کہ میں کہیں آنے جانے کے لائق ہی نہیں رہا اور مجبور ہو کر مجھے گھر میں بیٹھنا پڑا۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: بیٹھو اور غور سے میری بات سنو۔ میں رات اپنے حجرے میں بیٹھی ہوئی تھی اور گھر کا دروازہ بند تھا۔ میں اپنے والد ماجد کو یاد کر کے رو رہی تھی کہ اچانک تین عورتیں میرے سامنے آئیں جو انتہائی حسین و جمیل تھیں انہوں نے عطر لگایا ہوا تھا میں نے اپنی زندگی میں ان سے زیادہ حسین اور معطر عورتیں نہیں دیکھیں۔ میں نے اٹھ کر ان کا احترام کیا اور میں نے ان سے پوچھا: آپ کا تعلق اہل

مکہ سے ہے یا اہل مدینہ سے ہے؟

ان خواتین نے کہا: ہم زمین کی رہائشی نہیں ہیں ہم حورعین ہیں۔ ہم آپ کی مشتاق تھیں۔ اللہ نے ہمیں آپ کی زیارت کے لئے بھیجا ہے۔ بعدازاں حضرت سیدہ علیہاالسلام نے فرمایا: ان میں سے جس کی عمر مجھے زیادہ محسوس ہورہی تھی میں نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میرا نام ''مقدودہ'' ہے میں جنت میں آپ کے والد کے صحابی مقدادؓ کی زوجہ بنوں گی۔

میں نے دوسری سے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا میرا نام ''ذرّہ'' ہے اللہ نے مجھے آپ کے والد کے صحابی ابوذرؓ کے لئے پیدا کیا ہے۔

تیسری عورت نے کہا: میرا نام ''سلمیٰ'' ہے اور خدا نے مجھے سلمانؓ فارسی کی زوجیت کے لئے پیدا کیا ہے۔

ان خواتین نے مجھے جنت کی کھجوریں بھی دیں۔ بعدازاں وہ واپس چلی گئیں۔ میں نے کھجور کو کھایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈی اور مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار تھی۔ بعدازاں حضرت سیدہ نے کھجور کا ایک دانہ مجھے عطا کیا اور فرمایا: آج شام اس سے افطار کرنا اور اس سے جو گٹھلی برآمد ہو وہ کل میرے حوالے کرنا۔

سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے وہ کھجور لی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں مجھے جو بھی ملا تو اس نے یہ سوال کیا۔ کیا تم نے مشک وعنبر اٹھا رکھی ہے؟ میں سب سے کہتا تھا کہ جی ہاں۔ اذان مغرب کے وقت میں نے اس کھجور سے افطار کیا۔ اس میں گٹھلی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

میں دوسرے دن حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے

عرض کیا کہ بی بی میں نے آپ کی عطا کردہ کھجور کھائی تھی لیکن اس میں گٹھلی نہیں تھی۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: جی ہاں ایسا ہی ہے جنت کی کھجوروں میں گٹھلیاں نہیں ہوتیں۔ (۵۲)

انار

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیھا بیمار کی حالت میں گھر میں آرام کررہی تھیں۔ امیر المومنین علیہ السلام آئے اور انہوں نے اپنی زوجہ سے فرمایا: آپ بیمار ہیں اگر کسی چیز کی خواہش ہو تو میں آپ کے لئے لے آؤں۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا خاموش رہیں اور انہوں نے کچھ نہ کہا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے دوبارہ اصرار کیا تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے عرض کیا: ابوالحسن! مجھے آپ سے فرمائش کرنا اچھا نہیں لگتا کیونکہ میرے والد ماجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے نصیحت کی تھی کہ خبردار شوہر سے فرمائش نہ کرنا ممکن ہے وہ تمہاری فرمائش پوری کرنے کے لائق نہ ہو۔ اور تمہارے سامنے اسے تنگی محسوس ہو۔

امیر المومنین علیہ السلام مسکرادیئے۔ آخر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے بڑے ہی ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا: میں انار کھانا چاہتی ہوں۔

امیر المومنین علیہ السلام مدینہ کے بازار میں تشریف لے گئے اتفاق یہ ہے کہ اس وقت انار کا موسم گزر چکا تھا۔ آخر کار بڑی تلاش کے بعد آپ کو بازار سے صرف دو انار ملے۔

آپ نے انار لے لیے اور گھر طرف چل پڑے۔ راستے کے کنارے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو بخار سے تڑپ رہا تھا۔ آپ اس کے قریب گئے اور اس سے پوچھا کہ اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو بیان کرو۔

اتفاق سے اس بیمار نے کہا: یا علی علیہ السلام! میں انار کھانا چاہتا ہوں۔

امام نے سوچا کہ میں اسے ایک انار کھلا دیتا ہوں اور دوسرا فاطمۃ الزہراؑ کے لئے بچالوں گا۔ مریض نے انار کھالیا اور کہا: میں ایک اور انار کھانا چاہتا تھا۔ امیر المومنینؑ نے دیکھا کہ مریض بے آرام اور بے چین ہے چنانچہ دوسرا انار بھی اسے دیدیا اور خالی ہاتھ گھر کی طرف چل دیئے اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ زہرا علیہا السلام کا رب کریم ہے، رحیم ہے۔ دروازہ کھول کر آپؑ نے یہ دیکھنا چاہا کہ سیدہؑ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں تو دیکھا کہ سیدہؑ کے سامنے اناروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا جسے آپ تناول کر رہی تھیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: بنت پیغمبر! یہ انار کہاں سے آئے ہیں؟

حضرت سیدہ نے جواب دیا۔ ابھی دروازے پر ایک شخص یہ انار لایا تھا اور اس نے کہا کہ یہ انار علی علیہ السلام نے آپ کے لئے بھیجے ہیں۔

یہ سن کر امیر المومنینؑ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ (۵۳)

مسلمان کی حاجت روائی کا ثواب

فرزند رسول حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ایک ساتھی کا بیان ہے کہ امام حسنؑ نے ماہ رمضان میں ایک مسجد میں اعتکاف کیا اور میں نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا۔

اس حالت میں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں فلاں شخص کا مقروض ہوں اور ابھی میں اس کا قرض ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ وہ مجھ سے واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں چاہتا ہے کہ مجھے زندان بھجوا دے۔

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ اس وقت میرے پاس بھی رقم موجود نہیں ہے البتہ میں تمہاری حاجت روائی کے لئے کوئی نہ کوئی چارہ ضرور کرتا ہوں۔

اس شخص نے کہا پھر اتنا کرم کریں کہ قرض خواہ سے مل لیں اور اس سے کہیں کہ وہ مجھے کچھ مہلت دیدے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہتر ہے۔ میں ایسا ہی کرتا ہوں یہ کہہ کر آپ اٹھے اور جوتا پہن کر مسجد سے باہر جانے کا ارادہ کیا۔

اس وقت میں نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: مولا! شاید آپ بھول چکے ہیں کہ اس وقت آپ حالت اعتکاف میں ہیں جب کہ حالت اعتکاف میں مسجد جامع چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے مجھے جواب دیا: میں بھولا نہیں ہوں۔ میرے والد علیہ السلام نے میرے جد امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا: جو کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لئے کوشش کرے تو گویا اس نے اللہ کی نو ہزار سال تک عبادت کی ہے اور اس عرصہ میں اس نے ہمیشہ دن کو روزہ رکھا ہے اور راتوں کو قیام کیا ہے۔ (۵۴)

مچھر کا غرور

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو اپنی مجلس میں آنے کی دعوت دی اور اس نے شرارت یہ کی کہ بنی امیہ کے بہت سے افراد کو بھی دعوت دی اور ان سے کہا جب حسن بن علی علیہ السلام آئیں تو تم باری باری بنی امیہ کی تعریفیں کرنا اور علیؑ بن ابی طالبؑ کا مذاق اڑانا۔ (نعوذ باللہ)

الغرض امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام حسب وعدہ اس محفل میں پہنچ گئے۔ بنی امیہ کے افراد نے باری باری اپنے خاندان کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے۔ یہاں تک کہ عثمان کے بیٹے کی باری آئی وہ اٹھا اور شدت سے امیر المومنین علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگا۔

امام حسن مجتبیٰ نے ان سب کا باری باری جواب دیا۔ جب فرزند عثمان کی باری آئی تو آپؑ نے فرمایا: اس تمام حماقت اور رذالت کے ساتھ جو تجھ میں اور تیرے خاندان میں پائی جاتی ہے تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو ان کی اہانت کرے جو تجھ سے بہت زیادہ بڑے ہیں۔ تیری مثال اس مچھر کی سی ہے جو کسی لمبی اونچی کھجور پر جا

کر بیٹھ گیا تھا۔ جب اس نے وہاں سے اڑنے کا ارادہ کیا تو اس نے کھجور سے کہا: اپنے آپ کو سنبھالنا کیونکہ اب میں اڑنے ہی والا ہوں۔

کھجور نے کہا: مجھے تو تیرے آنے کا ہی پتہ نہیں چلا تو تیری اڑان مجھ پر کیا اثر ڈال سکتی ہے۔

حضرت کی زبانی یہ مثال سن کر تمام حاضرین ہنسنے لگے اور فرزند عثمان بجھ کر رہ گیا (۵۵)

سمجھانے کا انداز

یہ حسنین کریمین علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ ہے کہ دونوں بھائی ایک نہر عبور کر رہے تھے کہ انہیں اس کے کنارے ایک بوڑھا دکھائی دیا جو غلط طریقہ سے وضو کر رہا تھا۔

دونوں بھائیوں نے یہ طے کیا کہ اسے وضو کی تعلیم اس طرح دیں کہ وہ کوئی بے آرامی محسوس نہ کرے چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بوڑھے کو صحیح کیفیت وضو دونوں اس طرح بتائیں کہ وہ دل تنگ نہ ہو۔

یہ طے کر کے دونوں معصوم بچے اس بوڑھے کے پاس گئے اور اس سے فرمایا: بزرگوار! ہم آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں آپ غور سے ہمارے وضو کو دیکھیں پھر فیصلہ سنائیں کہ ہم میں سے کس کا وضو زیادہ صحیح ہے؟

بوڑھے نے یہ بات مان لی۔ دونوں بچوں نے وضو کیا۔ بوڑھا ان کے وضو کو بڑی توجہ سے دیکھتا رہا۔

جب بچے وضو تمام کر چکے تو بوڑھے نے اپنی غلطی سمجھنے کے بعد کہا: پیارے بچو! تم دونوں نے جو وضو کیا ہے وہی وضو صحیح ہے اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے میں مدت سے غلط وضو کرتا رہا ہوں۔ آج میں نے آپ دونوں سے صحیح طریقہ سیکھا خدا سے میری دعا ہے کہ وہ میری غلطی کو معاف فرمائے۔ (۵۶)

ایک عجیب خواب

محدّث نوری اپنی کتاب دارالسلام میں لکھتے ہیں کہ میرے بھائیوں میں سے ایک بھائی والدہ سے ملنے آیا تو اس کی پینٹ کی جیب میں خاک شفا کی ٹکیہ تھی۔

میری والدہ نے اسے تنبیہ کی اور کہا: اس طرح رکھنے سے خاک شفا کی بے ادبی ہوتی ہے اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس طرح سے خاک شفا کی ٹکیہ ٹوٹ جائے۔

بھائی نے جواب دیا: آپ سچ کہتی ہیں اب تک ایسی دو سجدہ گاہیں میری رانوں کے درمیان آکر ٹوٹ چکی ہیں۔ البتہ اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ محتاط رہوں گا۔

اس واقعہ کو ایک عرصہ گزر گیا اور ہمارے والد کو کبھی اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ ہمارے والد مرحوم نے خواب دیکھا کہ حضرت سید الشہداء ان کے کتب خانہ میں آئے، ان کے پاس بیٹھے اور ان سے بڑی شفقت سے پیش آئے۔ بعد ازاں حضرت سید الشہداء نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بلاؤ ہم انہیں تحائف دیں۔

میرے والد کے پانچ بیٹے تھے انہوں نے سب کو بلایا اور ہم سب امام کے

سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ امام کے پاس کچھ کپڑا تھا آپ اس میں سے تھوڑا تھوڑا ہر ایک کو دیتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے اس بھائی کی باری آئی جس نے پتلون میں رکھ کر سجدہ گاہوں کو توڑا تھا تو امام عالی مقام نے اس پر خفگی کی نظر ڈالی اور میرے والد سے فرمایا: یہ لڑکا ہے جو میری سجدہ گاہ کو اپنی جیب میں رکھتا ہے۔

پس وہ دوسروں کی طرح کمرے میں داخل نہ ہوا۔ بلکہ آپؑ نے اس کے لئے کپڑے کا ٹکڑا باہر پھینک دیا۔

میرے والد نیند سے بیدار ہوئے اور اپنا یہ خواب میری والدہ کو سنایا۔ تب میری والدہ نے جو کچھ میرے بھائی کے ساتھ گزرا تھا بیان کیا۔ یہ سن کر میرے والد کو خواب کی صداقت پر حیرت ہوئی اور میرے بھائی نے وعدہ کیا کہ وہ اب دوبارہ سجدہ گاہ کو (پتلون کی) جیب میں نہیں رکھے گا۔ (۵۷)

خاکِ شفا کی بے ادبی کا انجام

موسیٰ بن عبدالعزیز آلِ محمدؑ کے محبّ تھے، ان کا بیان ہے کہ بغداد میں ایک عیسائی طبیب رہتا تھا جس کا نام "یوحنا بن سراقیون" تھا۔ وہ اپنے دور کا مشہور طبیب تھا۔ اس کی شہرت سن کر ہارون الرشید نے اسے اپنا شاہی طبیب مقرر کر لیا تھا اور ہارون جب بھی بیمار ہوتا تو وہ اس سے ہی علاج کراتا تھا۔

ایک دن وہ طبیب میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے تیرے نبی اور تیرے دین کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے یہ بتاؤ کہ کربلا میں کون

سی شخصیت مدفون ہے جس کی زیارت کے لئے لوگ جاتے رہتے ہیں؟

میں نے کہا کہ وہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں اور وہ مسلمانوں کے امام ہیں ان کا نام حضرت امام حسین علیہ السلام ہے۔ لیکن تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟

عیسائی طبیب نے جواب میں کہا کہ میں تمہیں اس کا سبب بتاتا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ خلیفہ کے خادمِ خاص ''سابور'' نے مجھے خلیفہ کے رشتہ دار ''موسیٰ بن عیسیٰ'' کے گھر بلایا۔ جب میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا وہ زمین پر بے ہوش پڑا تھا اور اس کے پاس ایک تھال پڑا تھا جس میں اس کی کٹی ہوئی انتڑیاں پڑی تھیں۔

میں نے موسیٰ کے خادم سے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے اور اسے یہ تکلیف کیسے لاحق ہوئی؟

خادم نے بتایا کہ یہ ایک گھنٹہ قبل بالکل بھلا چنگا تھا اور اپنے دوستوں سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا اس محفل میں بنی ہاشم کا ایک شخص بھی موجود تھا۔ باتوں باتوں میں اس ہاشمی نے کہا کہ کچھ عرصہ قبل مجھے ایک بیماری لاحق ہوئی میں نے اس کا بہتیرا علاج کرایا لیکن کہیں سے بھی شفا نصیب نہ ہوئی۔ میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ اگر (خاکِ) تربت امام حسینؑ کھاؤ تو تندرست ہو جاؤ گے۔ میں نے اپنے دوست کے مشورے پر عمل کیا اور مکمل شفایاب ہو گیا۔

یہ سن کر موسیٰ نے ہاشمی سے کہا کہ کیا تمہارے پاس اب بھی خاک شفا ہے؟ ہاشمی نے اثبات میں جواب دیا۔ اور ایک شخص کو گھر بھیجا وہ وہاں سے تھوڑی سی خاک

کربلا لے آیا۔

موسی نے وہ خاک لی اور اس کی توہین کرنے اور مذاق اڑانے کے لئے اس کے اوپر بیٹھ گیا۔ ابھی چند لمحات ہی گذرے تھے کہ اس کی چیخ بلند ہوئی اور کہنے لگا: ہائے میرا وجود اندر سے جل گیا۔ لوگو! ایک تھال لاؤ۔ ہم نے تھال اس کے سامنے رکھا۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس کی انتڑیاں کٹ کٹ کر تھال میں گرنے لگیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے تمام دوست احباب اٹھ کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور یوں ایک خوشی کی محفل غم کی محفل میں تبدیل ہوگئی۔

عیسائی طبیب نے بات بڑھاتے ہوئے کہا کہ ''سابور'' نے مجھے کہا کہ آؤ اس کو ملاحظہ کرو ممکن ہے کہ تمہاری کسی دوا سے یہ صحت یاب ہوجائے۔

میں نے شمع منگوائی اور طشت میں پڑی ہوئی اس کی انتڑیوں کو دیکھا تو میں نے کہا: کوئی اس کا علاج نہیں کرسکتا سوائے مسیح کے جو مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ سابور نے کہا: تم بالکل صحیح کہتے ہو لیکن صبح ہونے تک تم یہیں قیام کرو۔

چنانچہ میں نے رات وہاں بسر کی جیسے ہی صبح کا وقت ہوا تو وہ مر گیا۔

یوحنا اگرچہ ایک عیسائی طبیب تھا لیکن اس واقعہ کے بعد وہ کربلا جا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی زیارت کیا کرتا تھا اور امام حسین علیہ السلام کی برکت سے وہ ایک صالح وزاہد قسم کا مسلمان بن گیا۔ (۵۸)

تمام دردوں کی دوا

کسی شہر کی جامع مسجد میں دو شخص بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ان میں سے ایک سخت بیمار تھا اور موت کا منتظر دکھائی دیتا تھا جب کہ دوسرا مسافر تھا اور اس شہر سے گذر رہا تھا۔

بیمار نے کہا: امام حسین علیہ السلام کی تربت ہر بیماری کی دوا ہے اور میرے پاس اس کا قیمتی تجربہ بھی ہے۔

کچھ عرصہ قبل میں بیمار ہوا۔ میں ہر طبیب کے پاس گیا اور تمام دوائیں استعمال کیں لیکن کسی سے بھی فائدہ نہ پہنچا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں زندگی سے مایوس ہو گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔

ہمارے پڑوس میں ایک بوڑھی خاتون رہتی ہیں جن کا تعلق کوفہ سے ہے۔ایک دن وہ میری عیادت کے لئے آئیں تو انہوں نے مجھ سے کہا: معلوم ہوتا ہے تم کافی دکھی ہو۔

میں نے کہا: جی ہاں۔میرے دکھ درد روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

خاتون نے کہا: اگر تم اجازت دو تو میں تمہاری دوا کرتی ہوں اور اس موذی مرض سے تمہیں نجات دلاتی ہوں۔

میں نے کہا: اگر آپ کوئی دوا جانتی ہیں تو ضرور میرا علاج کریں۔

وہ خاتون اٹھیں اور کچھ دیر بعد وہ پانی کا ایک پیالہ لائیں اور مجھ سے کہنے لگیں: تم یہ پانی پی لو۔

جب میں نے پانی پیا تو مجھے یوں لگا کہ میرے بدن میں نئی روح نے حلول کیا ہو اور میں بالکل صحت مند ہو گیا۔ چند روز بعد تو میرے چہرے سے میری بیماری کا پتہ چلانا مشکل ہو گیا۔

مجھے صحت مند ہوئے چند ماہ گذر گئے پھر وہی بوڑھی خاتون میرے گھر میں آئیں۔ میں نے اس سے پوچھا: آپ نے مجھے کون سی دوا پلائی تھی جس کے اثر سے میں فوراً صحت مند ہو گیا تھا؟

پہلے تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، جب میرا اصرار بڑھا تو انہوں نے کہا: میں نے اس تسبیح کے ایک دانے سے تمہارا علاج کیا تھا۔

میں نے کہا: ذرا کھل کر بتاؤ۔ تسبیح کے دانے سے تم نے میرا علاج کیسے کیا تھا؟

اس نے کہا: یہ تسبیح تربت حسین علیہ السلام کی بنی ہوئی ہے اور میں نے تمہیں اس کا ایک دانہ پانی میں گھول کر پلایا تھا۔

جب میں نے امام حسین علیہ السلام کا نام سنا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے چیخ کر کہا: اے حقیر رافضی عورت! تو نے تربتِ حسین علیہ السلام سے میرا علاج کیا تھا!

میرے جھڑکنے پر وہ خاتون میرے گھر سے چلی گئیں لیکن اسی وقت میں دوبارہ بیمار ہو گیا اور اب اس بیماری کی وجہ سے موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ (۵۹)

ناجائز حیلے بہانے

عمر بن قیس مشرقی کا بیان ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام ''قصر بنی مقاتل'' کے مقام پر پہنچے تو میں اور میرا چچازاد بھائی امام علیہ السلام کے پاس گئے اور ہم نے آپ کو سلام کیا۔ تھوڑی گفتگو کے بعد امام حسین علیہ السلام نے ہمیں اپنی مدد کی دعوت دی اور فرمایا کہ ہم کوفہ جا رہے ہیں ہماری یزید سے جنگ ہوگی تم دونوں میری مدد کرو۔

میں نے آپ کی سامنے یہ عذر پیش کیا کہ میں عیالدار شخص ہوں میرے گھر میں میری بیوی اور بچے رہتے ہیں جن کی کفالت میرا فریضہ ہے اور میرے علاوہ ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں میرے پاس لوگوں کی امانتیں بھی ہیں جو مجھے واپس کرنی ہیں اور مجھے آپ کی تحریک کا انجام بھی معلوم نہیں ہے اسی لئے میں لوگوں کا مقروض ہونا پسند نہیں کرتا اور مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ لوگوں کی امانتیں میرے کسی اقدام کی وجہ سے تلف ہو جائیں۔

میرے چچازاد بھائی نے بھی ایسے ہی بہانے بنائے۔

امام حسین علیہ السلام نے ہم کو مخاطب کر کے فرمایا: تم نے میری مدد نہیں کی لیکن میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ بڑی تیزی سے اس وادی سے چلے جاؤ تاکہ تم میری نصرت طلبی کی فریاد نہ سن سکو اور مجھے مظلومیت کی حالت میں نہ دیکھو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے جس نے بھی میری آوازِ استغاثہ کو سُنا یا مجھے دشمنوں کے نرغہ میں محصور دیکھا اور میری مدد نہ کی تو اللہ اسے دوزخ میں ڈال دے گا اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلتا رہے گا۔ (۶۰)

اِنَّا شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ

شہادت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ محرم ۶۱ھ میں پیش آیا۔ اس غیر عادلانہ جنگ میں آپ کے خاندان کے بہت سے ایسے افراد شہید ہوئے جن کی دنیا میں مثال نہیں تھی۔

امام حسین علیہ السلام کا پورا گھرانہ کربلا میں شہید ہوگیا۔ آپ کی اولاد میں سے صرف امام سجاد علیہ السلام بچے وہ بھی اس لئے زندہ رہ گئے تھے کہ وہ بیمار تھے اور جنگ میں حصہ نہیں لے سکے تھے۔

۶۱ھ ہجری میں نسل حسین علیہ السلام میں سے صرف ایک فرد زندہ بچا تھا اور وہ بھی بیمار ولاچار تھا اس وقت بنی امیہ کے محلات میں سونے چاندی کے بنے ہوئے پنگھوڑوں میں بنی امیہ کے بارہ ہزار بچے پل رہے تھے تو یہ تعداد کہاں گئی؟ اب کھلی ہوئی آنکھوں سے دنیا پر نظر کریں۔ امام سجاد علیہ السلام کی نسل سے حسینی سادات کا سلسلہ شروع ہوا جو آج کروڑوں انسانوں کی شکل میں موجود ہے۔

ایک کی نسل تو دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہے لیکن بارہ ہزار کی نسل کہاں گئی؟ کیا اس وقت کوئی شخص ان کی نشان دہی کر سکتا ہے؟

﴿اور کیا اسے سورۃ کوثر کی پیش گوئی قرار نہیں دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا تھا۔ "اِنَّا شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ" آپ کا دشمن بے نام ونشان رہے گا۔ آج دنیا میں بنی امیہ کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے جب کہ اولاد حسین کروڑوں کی تعداد میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا تھا۔ "بقية السيف ابقىٰ عددا واكثر ولدا" تلوار سے بچے کھچے لوگ زیادہ

باقی رہتے ہیں اوران کی نسل زیادہ ہوتی ہے۔ اگراس حقیقت کوسادہ ترین الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نسل میں قربانی ہووہ نسل پھلتی پھولتی ہے اور جس نسل میں قربانی نہ ہووہ زیادہ پھلتی پھولتی نہیں ہے۔ اضافہ ازمترجم﴾

آپ ملاحظہ کریں کہ ایک کتیا ایک سال میں دوبار بچے جنتی ہے اور ہر بار تین سے دس تک پلّے جنم دیتی ہے اور کتیا کی اولاد ذبح بھی نہیں ہوتی اس کے باوجود کتوں کے کہیں بھی ریوڑ دکھائی نہیں دیتے۔ اس کے برعکس بکری سال میں ایک مرتبہ بچہ دیتی ہے اور ہر بار ایک یا دو سے زیادہ بچے نہیں دیتی اور روزانہ اس کی نسل ہزاروں کی تعداد میں ذبح بھی ہورہی ہے اور حج اور عید قربان کے زمانہ میں تو اس نسل کے کروڑوں جانور ذبح ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ جہاں بھی دیکھیں آپ کو ان کے ریوڑ دکھائی دیں گے لیکن کتوں کا کہیں ریوڑ دکھائی نہ دے گا۔

آج بنی امیہ، بنی مروان اور دشمنانِ آل محمد کی نسل کہیں دکھائی نہیں دیتی آج یزید کی اولاد کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ یزید اگرچہ شام کا حاکم تھا لیکن آج شام میں اس کی قبر انتہائی غیر معروف ہے جب کہ امام حسین علیہ السلام مدینہ کے رہائشی تھے کربلا میں آپ کا روضہ منارہ نور بن کر جھلملا رہا ہے۔ کیا امام سجاد علیہ السلام کا کربلا میں زندہ بچ جانا ایک معجزہ نہیں ہے؟

﴿امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں عظیم الشان قربانی دی تھی اللہ نے آپ کی نسل کو باقی رکھا اور اس کے بعد اموی وعباسی ادوار میں اولادِ علیؑ مسلسل قربانیاں دیتی رہی اللہ نے ان کی نسل میں برکت ڈالی اور بنی امیہ کی نجس اولاد کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ اضافہ ازمترجم﴾

عطا بقدرِ علم

ایک دیہاتی عرب مدینہ منورہ آیا تو اس نے مسجد نبوی میں موجود لوگوں سے پوچھا: یہاں سب سے بڑا سخی کون ہے؟

سب لوگوں نے کہا کہ حسینؑ بن علیؑ سب سے بڑے سخی ہیں۔

وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایک ہزار طلائی دینار کا مقروض ہوں اور میں آپ کی سخاوت کا شُہرہ سن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ میرا یہ قرض اتاریں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے تین سوال پوچھوں گا اگر تم نے سب کے درست جواب دیئے تو میں تمہارا تمام قرض ادا کروں گا اور اگر تم نے دو سوالات کے صحیح جواب دیئے تو میں کل رقم کا دو تہائی حصہ ادا کروں گا اور اگر تم نے ایک سوال کا درست جواب دیا تو پھر میں تمہارے قرض کا ایک تہائی حصہ ادا کروں گا۔

اس دیہاتی عرب نے کہا: مولا! آپ جیسا صاحب علم و عقل مجھ جیسے جاہل سے سوال پوچھے تو کیا میں جواب دے پاؤں گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: عطا بقدر علم اچھی لگتی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: مجھے بتاؤ کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟

اس نے جواب دیا: خدا پر توکل کرنا اور اس میں اعتماد رکھنا۔

آپ نے اس کی تائید کی اور جواب دینے پر اس کی تعریف فرمائی۔

پھر آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ انسان کے لئے کون سی چیز باعثِ زینت ہے؟

اس نے عرض کیا: وہ علم جس کے ساتھ حلم شامل ہو۔

آپ نے فرمایا: اگر کسی کو یہ چیزیں میسر نہ ہوں تو پھر؟

اعرابی نے کہا: پھر مال و دولت کے ساتھ سخاوت ہونی چاہیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر کسی کے پاس یہ چیزیں بھی نہ ہوں تو؟

اعرابی نے کہا: پھر فقر و فاقہ کے ساتھ صبر و استقامت ہونا چاہیے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر کسی میں یہ تین چیزیں بھی نہ ہوں تو؟

اعرابی نے کہا: پھر تو آسمان سے اس پر بجلی گرنی چاہیے جو اسے جلا کر راکھ کر دے۔

یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: واقعی تم نے صحیح جواب دیئے ہیں پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار مثقال سونا دیا جائے۔ اس کے علاوہ آپ نے اسے ایک انگوٹھی بھی عطا کی جس کی قیمت دو سو درہم تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں امامؑ سے زیادہ کریم اور سخی کوئی نہیں دیکھا تھا پس وہ وہاں سے خوش اور مسرور نکلا۔ (۶۱)

مردِ نادان پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

نصیحت زندہ ضمیر لوگوں کے لیے مؤثر ہوتی ہے جب کہ مردہ ضمیر افراد اگر نصیحت کو سن بھی لیں تو بھی وہ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔ یزیدی فوج نے انہیں شہید کرنے پر اکتفا نہ کی بلکہ ان کے کٹے ہوئے سر نوک ہائے نیزہ پر چڑھائے اور کوفہ کے حاکم ابن زیاد لعین کے سامنے لے گئے۔

جب ابن زیاد لعین نے مظلوم کربلا کے سر کو نیزہ پر بلند دیکھا تو اس نے حکم دیا کہ اس سر کو نیزہ سے اتار کر اس کے سامنے پیش کیا جائے جب اس نے سر اطہر کو اٹھایا تو اس سے خون کا ایک قطرہ اس کی ران پر گرا اور ران میں سوراخ ہو گیا۔

ابن زیاد لعین کو بہت غصہ آیا اور وہ درد سے چیخنے لگا۔ اس لعین نے سر اطہر کو زمین پر رکھا اور عصا سے ضربیں مارنا شروع کیں۔

''زید بن ارقم'' رسول خدا کے ایک صحابی تھے اور وہ کافی بوڑھے تھے اتفاق سے وہ بھی لعین کے دارالامارہ میں موجود تھے جب انہوں نے لعین کی یہ جسارت دیکھی تو وہ برداشت نہ کر سکے انہوں نے چیخ کر کہا: ابن زیاد! رُک جا۔ میں نے کئی بار رسول خدا کو دیکھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے ہونٹوں اور دانتوں کے بوسے لیا کرتے تھے۔ تجھے حیا نہیں آتی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوسہ گاہ کی توہین کر رہا ہے۔

ابن زیاد کا ضمیر مر چکا تھا اسی لئے اس نے نصیحت قبول کرنے کی بجائے غضب ناک لہجہ میں کہا: تو بوڑھا ہو چکا ہے اور سٹھیا گیا ہے اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

پھر اس نے اپنے ملازمین سے کہا کہ زید بن ارقم کو محفل سے باہر نکال دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی جسارت ابن زیاد تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر مردہ ضمیر شخص کی یہی حالت ہوتی ہے۔ جب کوئی خیر خواہ انہیں نصیحت کرتا ہے تو ان کی سرکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (۶۲)

حق کے لئے موت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے

جب سید الشہداء علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے کربلا کی طرف جا رہے تھے تو آپ کو سواری پر اونگھ سی آ گئی۔ پھر آپ بیدار ہوئے تو آپ نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین'' کے کلمات کہے۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: ابا جان! کیا ہوا؟

امام علی مقام نے فرمایا: میں نے ایک منادی کی آواز سنی جو یہ کہہ رہا تھا۔

''یہ لوگ سفر کر رہے ہیں اور موت انکے استقبال کے لئے آگے بڑھ رہی ہے''

ہمارا یہ سفر شہادت کا سفر ہے۔

حق شناس بیٹے نے عرض کیا: ابا جان! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم حق کی راہ کے راہی ہیں اور ہمارا راستہ اجابت حق کا راستہ ہے۔

اس وقت حضرت علی اکبرؑ نے کہا: جب ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور اگر ہم اللہ کی راہ میں حق کے نام اور حق کے قیام کے لئے قتل ہو جائیں تو اس سے زیادہ بھلائی کیا ہوگی؟

حضرت علی اکبرؑ کی گفتگو ایسی تھی گویا آگ کو بجھانے والا پانی جس نے امامؑ کو حوصلہ دیا اور آپ نے جان لیا کہ آپ کا خاندان رضائے الٰہی پر راضی ہے اور انہیں

شکوہ شکایت نہیں ہے۔

آپ نے اپنے فرزند علی اکبر علیہ السلام کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: بیٹا! خدا تجھے بہترین جزا دے جو کسی باپ کی طرف سے بیٹے کو مل سکتی ہے۔ (۶۳)

شمسِ امامت نوکِ نیزہ پر

ملک شام میں ایک عیسائی راہب اپنی خانقاہ میں رہتا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد فوج یزید نے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے باوفا ساتھیوں کے سر نیزوں کی نوکوں پر سوار کئے اور ابن زیاد کے پاس لائے۔

پھر کوفہ سے ان سروں کو یزید کے پاس شام لے جایا گیا۔ اس دوران فوجِ یزید کا گزر ایک راہب کی خانقاہ سے ہوا۔ راہب نے دور سے سروں کو دیکھا جو کہ نیزوں پر سوار تھے۔ ایک سر سے اس نے نور پھوٹتا ہوا دیکھا۔ راہب کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ سر عام انسانوں کے نہیں ہیں اور خاص طور پر جس سر سے نور پھیل رہا ہے وہ خدا کے کسی محبوب بندے کا سر ہے۔

چنانچہ وہ تیزی سے اپنی خانقاہ سے نکلا اور لشکر والوں کے پاس پہنچا اور سپاہیوں سے پوچھا کہ تمہارا سالار کون ہے؟

فوجیوں نے شمر بن ذی الجوشن لعین کی طرف اشارہ کیا اور کہا: یہ ہمارا سالار ہے۔

راہب اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ اب تو رات ہو چکی ہے کیا تم یہیں

کہیں رُک کر آرام کرو گے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔

راہب نے شمر لعین سے کہا: تم آج رات کے لئے یہ سر میرے حوالے کردو۔

شمر نے کہا: یہ سر بڑا قیمتی ہے جب ہم یہ سر یزید کے سامنے پیش کریں گے تو وہ ہمیں انعام وکرام سے نوازے گا اسی لئے میں یہ سر تمہارے سپرد نہیں کرسکتا۔

راہب نے کہا: میرے پاس بارہ ہزار درہم ہیں اگر تم آج رات کے لئے یہ سر میرے سپرد کردو تو میں اپنی پوری زندگی کی جمع پونجی تمہیں دے دوں گا۔

شمر نے اس کی پیش کش قبول کی اور مظلوم کربلا کا سر اطہر راہب کے حوالے کردیا۔ راہب سر مبارک کو لے کر خانقاہ میں آیا اور اس نے عرق گلاب سے سر اطہر کو دھویا اور خوشبو لگائی اور سر اطہر کا بوسہ لے کر اس نے کہا: جناب! میں یہ جان گیا ہوں کہ آپ خدا کے مقرب ہیں اور آپ مظلوم ہیں۔ ان لوگوں نے آپ پر یہ ظلم کیوں کیا؟

راہب ساری رات سر اطہر سے کلام کرتا رہا اور صبح کے وقت مظلوم کربلا کی برکت سے مسلمان ہوگیا اور بعد میں وہ باکردار مسلمان ثابت ہوا۔ (۶۴)

غمِ حسین علیہ السلام میں رونے کا اجر

''مسمع کردین'' ایک قبیلہ کے سربراہ اور بصرہ کی ایک مشہور شخصیت تھے وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لئے مدینہ جاتے رہتے تھے۔

ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم حضرت سید الشہداء علیہ السلام

کی زیارت کے لئے جاتے رہتے ہو؟

مسمع کردین نے جواب دیا: مولا! میں ایک مشہور انسان ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میرے دشمن مجھے ایذا دینے کے لئے حکومت کے سامنے لے جائیں۔

امامؑ نے فرمایا: کیا تم امام حسین علیہ السلام کے مصائب کا ذکر بھی کرتے ہو یا نہیں؟

''مسمع'' نے کہا: جی ہاں، فرزندِ رسولؐ بعض اوقات جب مجھے پانی پیش کیا جاتا ہے تو مجھے سید الشہداء علیہ السلام کی پیاس یاد آجاتی ہے اور میں رونے لگتا ہوں اور پانی نہیں پی سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تمہارے آنسوؤں پر رحم فرمائے۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو ہماری خوشی پر خوش اور ہماری غمی پر غمگین ہوتے ہیں۔ جب تم دنیا سے رختِ سفر باندھو گے تو میرے آبائے طاہرین تمہارے سرہانے پہنچیں گے اور وہ ملک الموت کو تمہارے لئے وصیت کریں گے اور ملک الموت تمہارے لئے تمہاری ماں سے زیادہ مہربان ثابت ہوگا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام بھی روئے اور ''مسمع'' بھی کافی دیر تک روتے رہے پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی حمد ہے جس نے اہل بیت کو یہ عظیم مرتبہ عطا کیا ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: جو ہمارے مصائب پر گریہ کرے تو ابھی اس کی آنکھ سے آنسو نہیں ٹپکا ہوگا کہ خدا اس پر رحم کرے گا۔ جب ہمارے محبّ حوضِ کوثر پر جمع ہوں گے تو حوضِ کوثر انہیں دیکھ کر خوش ہوگا اور یہ اس آنسو کا بدلہ ہے جو غمِ حسین علیہ السلام میں بہتا ہے۔ (۶۵)

نصرت حسین علیہ السلام سے

منہ موڑنے والے کا انجام

''عبداللہ بن حر'' ایک قبیلہ کا سردار تھا وہ بہادر اور ماہر جنگجو تھا۔ جب ابن زیاد نے کوفہ کی حکومت سنبھالی اور حضرت مسلمؑ بن عقیل شہید ہوئے تو اس نے سوچا۔ اگر میں کوفہ میں رہا تو ابن زیاد مجھے امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے بھیجے گا اور یوں میں دنیا و آخرت کے خسارے میں رہوں گا۔

یہ سوچ کر اس نے شہر کوفہ چھوڑ دیا اور اپنی اولاد اور غلاموں کو ساتھ لے کر صحرا میں خیمہ نشین ہو گیا۔

جب امام حسین علیہ السلام وہاں سے گزرے تو آپ نے وہاں خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ آپ نے پوچھا: یہ کس کے خیمے ہیں؟

لوگوں نے عرض کیا: یہ عبداللہ بن حر کے خیمے ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس کے پاس ''حجاجؑ بن مسعود'' (بعض روایات میں ''مسعود'' کی بجائے ''مسروق'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں) کو بھیجا تا کہ اسے امامؑ کا ساتھ دینے پر آمادہ کریں۔

''حجاج'' کو بھیجنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حجاج کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

الغرض حضرت حجاجؑ نے عبداللہ بن حر کو امام حسین علیہ السلام کی مدد کی دعوت دی۔

اس کے جواب میں عبداللہ نے کہا: اہل کوفہ مسلم کی بیعت توڑ چکے ہیں اور کوفہ کے

سردار یزیدی حکومت سے بھاری رقمیں وصول کر چکے ہیں۔اس کے باوجود اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل کوفہ امام حسینؑ کی مدد کریں گے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہوگی۔میں حسینؑ سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتا تھا اسی لئے میں نے کوفہ کو چھوڑ کر صحرا نوردی اختیار کی ہے۔

حضرت حجاجؒ اس کے جواب سے مایوس ہو کر واپس لوٹے، سر جھکائے ہوئے امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور امام حسینؑ کو اس کے جواب سے آگاہ کیا۔

امام حسینؑ اتمامِ حجت کے لئے خود اس کے پاس تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ چند بچے بھی تھے۔

عبداللہ بن حر نے آپ کا استقبال کیا: امام حسینؑ نے اس سے فرمایا: عبداللہ! تم نے زندگی میں بہت سے گناہ کئے ہوں گے اور اگر توبہ کئے بغیر مر گئے تو خدا تمہیں سخت سزا دے گا۔اگر تم میرے نانا کی شفاعت چاہتے ہو تو پھر ہماری مدد کرو۔

عبداللہ نے کہا: میرے سردار، اگر مجھے جنگ کرنا ہوتی تو میں آپ کے ہم رکاب ہو کر جنگ کرتا کیونکہ مجھے یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ آخرت کی نجات آپ کی مدد میں مضمر ہے اور ابن زیاد کی مدد میں دنیا و آخرت کی ہلاکت ہے۔اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر آپ کا ساتھ دوں گا تو موت یقینی ہے لہذا مجھے اپنی مدد سے معذور ہی رکھیں۔البتہ میرے پاس میرا گھوڑا، ہتھیار اور زرہ موجود ہے۔اس گھوڑے پر جب بھی میں چڑھا ہوں تو دشمن میری دھول ہی دیکھتے رہ گئے۔اس کے علاوہ میرے پاس تیز دھار تلوار بھی موجود ہے کہ جس چیز پر ضرب لگائے اسے کاٹ دیتی ہے۔میں یہ دونوں چیزیں آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: میں تمہارے پاس حجت تمام کرنے کے لئے آیا تھا۔ میں تم سے گھوڑا اور تلوار لینے نہیں آیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ واپس اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔

روز عاشور امام عالی مقام کربلا میں شہید ہو گئے۔ جب واقعہ کربلا کی دھول بیٹھی تو عبداللہ بن حر نے صحرانوردی کو چھوڑا اور کوفہ میں آ گیا۔

وہ جیسے ہی کوفہ پہنچا تو ابن زیاد نے اسے اپنے پاس طلب کیا۔ جب وہ ابن زیاد کے دربار میں پہنچا تو ابن زیاد نے اس سے کہا کہ تو اب تک کہاں تھا؟

عبداللہ نے کہا کہ میں اس عرصہ میں بیمار تھا۔

ابن زیاد نے کہا: تم جسمانی طور پر بیمار تھے یا روحانی طور پر بیمار تھے؟

عبداللہ بن حر نے کہا: میں جسمانی طور پر مریض تھا۔

ابن زیاد نے کہا: مجھے تمہارے متعلق پل پل کی خبر ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یزید کے مخالف ہو۔

عبداللہ نے کہا: یہ مجھ پر الزام ہے اور مجھے اس کا ثبوت چاہیے۔

ابن زیاد نے کہا: کیا تم نے حسینؑ بن علیؑ کو اپنے گھوڑے اور تلوار کی پیش کش نہیں کی تھی؟

جب عبداللہ نے یہ سنا تو اسے یقین ہو گیا کہ ابن زیاد کے جاسوسوں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے اور مزید یہ کہ اب اس کی جان خطرہ میں ہے۔ وہ کوئی بہانہ کر کے لعین کے دربار سے نکلا اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر چڑھ کر اسے بھگانے لگا۔

ابن زیاد نے اس کی گرفتاری کے لئے فوج کا ایک دستہ اس کے تعاقب میں

روانہ کیا۔

عبداللہ گھوڑا دوڑاتا ہوا امام حسینؑ کی قبر مطہر پر پہنچا اور اس نے اپنا سر آپ کی قبر سے ٹکرا کر کہا: مولا: میں نے آپ کی دعوت قبول نہ کر کے زندگی کی بہت بڑی غلطی کی تھی اور جس موت سے میں بچنا چاہتا تھا آج وہی موت میرے سر پر سایہ ڈال چکی ہے۔ کاش میں نے آپ کی دعوت قبول کی ہوتی اور آپ کی نصرت میں شہادت کا شرف پایا ہوتا۔

اس دوران اس نے تعاقب میں آنے والوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ دشمن اسے معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس نے گرفتاری کے ڈر سے دریا میں چھلانگ لگائی اور ڈوب کر مر گیا۔ (۶۶)

بابرکت سفر

بصرہ میں ایک عیسائی تاجر رہتا تھا اس کا کاروبار بہت وسیع تھا اور اس کے ایک بغدادی دوست نے اسے مشورہ دیا کہ تمہارا کاروبار بہت وسیع ہے جبکہ بصرہ نسبتاً چھوٹا شہر ہے۔ تمہارے کاروبار کے لئے بغداد مناسب ترین مقام ہے۔

عیسائی تاجر کو اپنے دوست کا مشورہ پسند آیا۔ اس نے بصرہ میں موجود اپنے تمام کاروبار کو سمیٹا اور نقدی اکٹھی کر کے کشتی پر بیٹھا اور بغداد کے لئے روانہ ہو گیا۔

ابھی کشتی نے بصرہ و بغداد کا آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ دریائی قزاقوں نے اس کشتی پر حملہ کر دیا اور اس کی تمام نقدی چھین کر لے گئے۔

جب اس کے پاس کچھ نہ رہا تو اس نے بغداد جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور کشتی کو چھوڑ کر صحرا نوردی کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد اسے صحرا میں ویران مکانات دکھائی دیئے اس نے وہاں چند لمحے آرام کیا۔ پھر وہاں سے آگے چل پڑا۔ راستے میں اسے کچھ صحرائی قبائل ملے یہ ان کے پاس چند روز ٹھہرا پھر وہاں سے شہر حلّہ آ گیا اور حلّہ میں ایک قبیلے کے ہاں جا کر مہمان ٹھہرا۔ اس نے دیکھا کہ اس مہمان خانہ میں بہت سے مسافر آئے ہوئے ہیں۔

عیسائی نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟

لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ لوگ شیعہ ہیں اور یہ لوگ حضرت سید الشہداء کی زیارت کیلئے کربلا جا رہے ہیں۔

عیسائی نے نو وارد مہمانوں سے کہا کہ آپ لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ کربلا لے چلیں میں راستہ میں آپ لوگوں کے سامان کی حفاظت کروں گا۔

یہ کہہ کر وہ ان کے قافلہ میں شامل ہو گیا اور انہوں نے کربلا کا رخ کیا۔

جب وہ کربلا میں داخل ہوئے تو وہ شب عاشور تھی ان لوگوں نے اپنا سامان اس جوان کے پاس رکھا اور کہنے لگے کہ ہم آج تمام رات صحن امام حسینؑ میں عزاداری کریں گے اور صبح کے وقت تمہارے پاس واپس آئیں گے اس دوران ہمارے سامان کا خیال رکھنا۔

بہر حال تمام عزادار شب عاشور کا سوگ منانے کے لئے حرم سید الشہداء میں چلے گئے اور عیسائی اُن کے سامان کی حفاظت کرتا رہا۔

شب عاشور ساری رات زائرین کا سیلاب جاری رہا۔ ساری رات گریہ و ماتم کی صدائیں بلند ہوتی رہیں یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا۔

عیسائی جو کہ ساری رات کا جاگا ہوا تھا اس وقت اسے نیند آ گئی اس نے عالمِ خواب میں دیکھا ایک نورانی شخصیت حرم سے باہر آئی اور اس کے ساتھ بہت سے غلام تھے۔ نورانی شخصیت نے اپنے غلاموں سے فرمایا: آج رات جتنے بھی زائر کربلا میں آئے ہیں ان سب کا نام اپنے رجسٹر میں لکھ لو۔

یہ سن کر غلام اِدھر اُدھر چلے گئے کچھ دیر بعد وہ حاضر ہوئے تو ان کے ہاتھوں میں رجسٹر تھے اور انہوں نے نورانی شخصیت سے کہا کہ آقا ہم نے سب کے نام لکھ لیے ہیں۔ عظیم القدر شخصیت نے فرمایا: خیال رکھنا کسی کو بھی فراموش نہ کرنا جو بھی کربلا میں زیارت کے لئے آیا ہے سب کے نام لکھ لو۔

غلاموں نے عرض کیا: آقا! ہم نے سب کے نام لکھ لیے ہیں اس وقت اس عظیم القدر شخصیت نے فرمایا: پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے اس عیسائی کا نام نہیں لکھا؟

غلاموں نے عرض کیا: آقا! ہم اس کا نام کیسے لکھتے یہ تو عیسائی ہے اور یہ آپ کی زیارت کے قصد سے یہاں نہیں آیا؟

نورانی شخصیت نے فرمایا: یہ سچ ہے کہ یہ عیسائی ہے تو کیا یہ ہمارے ہاں نہیں آیا ہے؟

اس جملے نے عیسائی کے دل کی دنیا میں تلاطم برپا کر دیا وہ رونے لگا اور سینہ کوبی کرنے لگا۔

جب ظہر کے وقت باقی شیعہ اس کے پاس آئے تو اس نے ان کے سامنے اپنا خواب بیان کیا اور کہنے لگا: تم لوگ مجھے کسی طرح سے حرم میں لے جاؤ۔ پھر اس

نے اپنے پرانے عقیدہ کو چھوڑا ذکرِ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔

چند روز بعد خدا نے اس کے حالات بدل دیئے، اس کے پاس مال و دولت کی ریل پیل ہوگئی اور امام مظلوم کی برکت سے اسے دونوں جہانوں کی سعادت نصیب ہوئی۔(۶۷)

خون آلود خاک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔

اس اثنا میں حضرت حسینؑ آئے اور چاہا کہ نانا جان کے پاس جائیں۔

حضرت ام المومنینؓ نے کہا: پیارے حسینؑ! آپ کے جد اطہر اس وقت آرام فرما رہے ہیں۔انہیں بے آرام کرنا مناسب نہیں ہے لہذا آپ اندر نہ جائیں۔

لیکن امام حسینؑ نے ام المومنینؓ کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا آپؑ اس حجرہ میں چلے گئے اور نبی اکرمؐ کے سینۂ مبارک پر جا کر بیٹھ گئے۔

ام المومنینؓ کو یہ توقع تھی کہ اب آنحضرتؐ ناراض ہو کر اٹھیں گے لیکن حضرت ام سلمہؓ کو اس وقت حیرت ہوئی جب انہوں نے حجرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رونے کی صدا سنی۔انہوں نے سمجھا کہ آپؐ اس وقت بچے کے آنے سے بے آرام ہوئے ہیں۔لہذا حضرت ام سلمہؓ فوراً حجرہ میں گئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معذرت کی اور کہا میں بچے کو روک نہ سکی۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں حسینؑ کی آمد کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں میں تو اس خبر کو سن کر رو رہا ہوں جو جبریلؑ امین نے پہنچائی ہے۔ جبریلؑ نے مجھے کربلا دکھائی اور وہاں سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر مجھے دی اور کہا کہ یہاں آپ کے فرزند حسینؑ کی قبر بنے گی۔

یہ کہہ کر سرورِ کائناتِ نے اپنی مٹھی کھولی اور اس میں سے مٹی نکال کر حضرت ام سلمہؓ کے سپرد کی اور فرمایا: اس مٹی کی حفاظت کرتی رہنا جس وقت اس مٹی کا رنگ خون آلود ہو جائے تو سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔

اس واقعہ کے کئی برس بعد حضرت حبیبِ خداؐ جوارِ پروردگار میں پہنچ گئے اور ۶۰ھ میں امام حسینؑ نے یزید ملعون کی بیعت سے بچنے کے لئے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔

جب امام علیہ السلام الوداع کہنے کے لئے ام المومنینؓ ام سلمہؓ کے پاس گئے تو حضرت ام سلمہؓ نے کہا: پیارے فرزند! عراق مت جانا، میں نے تیرے نانا جان سے سنا تھا کہ تو کربلا میں شہید ہوگا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری قبر کی کچھ مٹی بھی نشانی کے طور پر مجھے عطا کی تھی۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اماں جان! کیا آپ یہ تصور کرسکتی ہیں کہ مجھے تقدیرِ خداوندی کا علم نہیں ہے؟ کیا آپ میری قبر کو دیکھنا پسند کریں گی؟

حضرت ام سلمہؓ نے کہا: ہاں! فرزند رسول!

امام علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اللہ کی رضا سے حضرت ام سلمہؓ کی آنکھوں سے حجاب ہٹ گئے اور آپ نے بی بی کو اپنے مقتل کی نشان دہی کی اور وہاں سے کچھ

خاک اٹھائی اور حضرت ام سلمہؓ کے سپرد کی اور فرمایا: اماں جان! میرے نانا جان کی دی ہوئی خاک کے ساتھ اس خاک کو بھی محفوظ رکھنا۔ جب یہ خاک خون آلودہ ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میں کافروں کے ہاتھوں شہید ہو چکا ہوں۔ (۶۸)

حلمِ حسن علیہ السلام

کتب تاریخ و مقاتل میں عصام بن مصطفیٰ شامی کی روایت بالتواتر منقول ہے اس نے کہا کہ میں مدینہ گیا اور حسن مجتبیٰ کے پاس پہنچا اور میں نے ان سے کہا کہ کیا تو ابو تراب کا بیٹا ہے؟

امام حسن علیہ السلام نے کہا: جی ہاں۔

شامی کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے انہیں سب و شتم کیا اور جتنا سب شتم مجھے یاد تھا میں نے وہ تمام سب و شتم انہیں کیا۔ اس دوران حسنؑ کوہِ حلم بنے خاموشی سے سنتے رہے۔ جب میں نے گالیاں بکنا بند کیں تو اس وقت حسنؑ نے کہا:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاھلین (الاعراف. ۱۹۹) "درگزر کو اپنائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے منہ موڑ لیں"۔

قارئین کرام! اس آیت پر پوری توجہ دیں۔ قرآن ہمیں گناہ گاروں سے درگزر کا حکم دے رہا ہے اور یاد رکھیں جب آپ کسی جاہل سے الجھیں گے تو اپنے لئے مشکلات پیدا کریں گے اور جب آپ کسی سے جھگڑا کریں گے تو آپ کے ذہن پر

جھگڑا سوار ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ بظاہر نماز میں ہوں گے لیکن آپ کی توجہ جھگڑے پر ہوگی اور کئی گھنٹے تک آپ تشویش میں رہیں گے۔اضافہ از مترجم﴾

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے آیۂ شریفہ کی تلاوت کے بعد شامی سے فرمایا: اے شخص! نرم رویہ اپنا۔ اپنے آپ پر مصیبت کو سوار نہ کر۔ یہ سب وشتم تیرے لئے نقصان دِہ ثابت ہوگا۔

اس کے بعد حسن مجتبیٰ نے اپنے اور شامی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کی۔

اس کے بعد آپ نے اس سے فرمایا: تو کہاں سے آیا ہے؟

اس نے کہا: میں شام سے آیا ہوں۔

حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے کہا: اہل شام کی یہ عادت ہو چکی ہے کہ وہ آل علیؑ کے خلاف نازیبا باتیں کرتے ہیں۔ اے شخص! اگر تجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں تیری مدد کر سکتا ہوں۔ اگر تجھے رقم کی ضرورت ہو تو میں تجھے رقم فراہم کروں اور اگر تجھے گھر کی ضرورت ہو تو میں تجھے گھر مہیا کروں اور اگر تجھے رہنمائی کی ضرورت ہو تو تجھے رہنمائی فراہم کروں۔۔۔۔۔

شامی کا بیان ہے کہ جب امام مجتبیٰ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے تو میں اتنا شرمندہ ہوا کہ یہ خواہش کرنے لگا کہ کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں پھر میں نے لوگوں کے سامنے یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ میں نے امام حسنؑ سے بہتر کوئی آدمی نہیں دیکھا اور وہ سب سے معزز فرد تھے۔(۶۹)

حسینۂ عرب

ابن قتیبہ ایک مشہور سنی مورخ ہیں انہوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ یزید بن معاویہ انتہائی بدصورت شخص تھا۔ اس کا چہرہ اس کے دل کی طرح سیاہ تھا۔ وہ اونچی آواز میں گاتا تھا اور گانے والوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا۔

وہ اعمالِ فجور اور افعالِ شہوانی میں بے دریغ خرچ کیا کرتا تھا اس کے خوشامدی ساتھی جب اسے خوش کرنا چاہتے تو وہ عورتوں کے حسن و جمال کی داستانیں بیان کرنا شروع کر دیتے۔ وہ اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ فلاں شخص کی بیٹی بڑی حسین ہے، فلاں کے گھر میں قتالہ عالم عورت رہتی ہے، وغیرہ، وغیرہ۔

یزید کے خوشامدیوں نے ایک بار اس کے سامنے قبیلہ قریش کے عبداللہ بن سلام کی بیوی ارینب بنت اسحاق کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ حجاز میں اس سے زیادہ خوبصورت عورت نہیں کہ یزید کو یہ کہنا پڑا کہ میں اسے دیکھے بغیر اس پر فریفتہ ہو چکا ہوں چنانچہ تم پر یہ لازم ہے کہ کسی بھی طرح تم اسے میرے پاس لاؤ۔

یزید کے ذہن پر ارینب بنت اسحاق کے حسن کا نشہ چھا گیا چنانچہ وہ اپنے باپ معاویہ بن ابی سفیان کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس عورت کو یہاں لایا جائے ورنہ میں غم میں مر جاؤں گا۔

معاویہ نے ایک حیلہ تراشا۔ اس نے ابو ہریرہ کو عبداللہ بن سلام کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ جتنا جلدی ممکن ہو تم میرے پاس دمشق چلے آؤ۔

جب عبداللہ بن سلام کو یہ پیغام پہنچا تو وہ دمشق کے لئے روانہ ہوا اور چند

روز بعد معاویہ کے پاس پہنچ گیا۔

معاویہ نے اس کا احترام کیا اور شاہی مہمان خانہ میں اسے ٹھہرایا۔ چند دن گزرنے کے بعد معاویہ نے ابو ہریرہ کو اس کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ میں تجھے اپنا داماد بنانا چاہتا ہوں؟

ابو ہریرہ نے جا کر عبداللہ کی رائے پوچھی۔ اس غافل نے جیسے ہی یہ خبر سنی تو اس نے فوراً ہاں کر دی۔ بعدازاں معاویہ نے اس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ میں تو تجھے اپنا داماد بنانا چاہتا ہوں لیکن میری بیٹی کہتی ہے کہ جب تک یہ پہلی بیوی کو طلاق جاری نہ کرے اس وقت تک میں اس سے نکاح نہیں کروں گی۔

مسکین عبداللہ بن سلام نے مزید حماقت کا ثبوت دیا اور فی الفور اپنی بیوی ارینب بنت اسحاق القرشی کو طلاق جاری کر دی۔

پھر معاویہ عدت کے دن ختم ہونے تک ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب اس کے پاس رجوع کا اختیار بھی نہیں رہا تو اس نے ابو ہریرہ کے ہاتھ میں ارینب بنت اسحاق کا طلاق نامہ پکڑا دیا اور کہا تم مدینہ پہنچ کر عبداللہ بن سلام کی بیوی سے ملاقات کرو اور اسے طلاق کی خبر دو اور اسے یہ بھی بتاؤ کہ اب اس کی عدت کے ایام بھی ختم ہو چکے ہیں اس کے بعد اسے یزید سے نکاح کا پیغام دو۔

ابو ہریرہ شام سے روانہ ہوا اور مدینہ پہنچا اور اتفاق سے اس کی ملاقات امام حسینؑ سے ہوئی۔

آپ نے اس سے اس کے آنے کا مقصد پوچھا اس نے ساری داستان سنا دی اور کہا کہ اب میں اسے یزید کی خواستگاری کا پیغام دوں گا۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جب ارینب بنت اسحاق سے ملاقات کرو تو میری طرف سے بھی اسے نکاح کا پیغام پہنچا دینا۔

چنانچہ ابو ہریرہ نے ارینب بنت اسحاق سے ملاقات کی اور اس کے شوہر کا طلاق نامہ اسے پیش کیا۔ اپنی طلاق کی خبر سن کر وہ خاتون رونے لگی۔ جب وہ اچھی طرح سے رو چکی تو ابو ہریرہ نے کہا: میں تمہارے لئے دو شادی کے پیغام لایا ہوں۔ ان میں سے ایک یزید کا ہے اور دوسرا ریحانۂ رسول اللہ کا کہ جن کا جسم رسول اللہ نے کئی بار چھوا اور ان کا منہ بار بار چوما۔

ارینب بنت اسحاق نے کہا: میرے لئے مژدہ ہے میں امام حسینؑ کا انتخاب کرتی ہوں۔

امام حسینؑ نے اس سے عقد کر کیا، اسے حق مہر دیا اور اپنے گھر میں لے آئے۔ جب یہ خبر یزید بن معاویہ نے سنی کہ ارینب حسینؑ کے گھر میں ہے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس پر کیا گزری۔

جب معاویہ نے یہ خبر سنی تو اس نے عبداللہ بن سلام کو یہ کہہ کر شام سے نکال دیا کہ میری بیٹی تجھ سے نکاح پر راضی نہیں ہے اور وہ کہتی ہے جس نے ارینب بنتِ اسحاق جیسی عورت کو طلاق جاری کر دی ہے۔ وہ کل کلاں مجھے بھی طلاق دے سکتا ہے۔ لہذا میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔

عبداللہ بن سلام دونوں جہان لٹوا کر مدینہ آیا۔ مدینہ پہنچ کر ایک دن روتے ہوئے امام عالی مقام کے پاس آیا اور عرض کیا: مولا! جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ جب میں مدینہ سے چلا تھا تو اپنی بیوی کے پاس بہت سامان رکھ کر گیا تھا۔ آپ مہربانی فرما کر

اس سے یہ بات دریافت کریں کہ اس نے میرا مال کہاں رکھا ہے؟

امام عالی مقام نے اپنی موجودہ اور اس کی سابقہ بیوی سے اس کے مال کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: اس کا مال میرے پاس موجود ہے اور میں اسے واپس کرنا چاہتی ہوں۔

امام عالی مقام نے فرمایا: نہیں اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔

امام عالی مقام نے اس کے سابقہ شوہر سے فرمایا: مجھے تیری بیوی کو بچانا تھا اسی لئے میں نے اسے پیغام نکاح بھجوایا تھا۔ وہ اگرچہ میری منکوحہ ہے لیکن میں نے آج تک اسے مَس نہیں کیا۔ میں اب اسے طلاق جاری کرتا ہوں۔ اس کے بعد تم اس سے تجدید نکاح کرلو۔

امام علیہ السلام نے اسے طلاق جاری کردی اور یوں دونوں بچھڑے ہوئے ساتھی ایک دوسرے سے دوبارہ ملنے میں کامیاب ہوگئے۔

ارینب نے آپ کو حق مہر واپس کرنا چاہا لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کردیا ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دے دیں تو اس سے واپس نہیں لیا کرتے (۷۰)

اپنے پرائے کا غم کھانے والا

مروان بن الحکم بنی امیہ کا ایک مشہور شخص گزرا ہے جو رسول اللہ کا دشمن تھا وہ اور اس کا باپ رسول خدا ؐ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ گردشِ زمانہ کے تحت اس کے باپ کو اسلام قبول کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر مدینہ میں آ گیا لیکن یہاں آ کر

بھی اس کی غلط حرکات جاری رہیں۔ اضافہ از مترجم﴾۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حکم اور اس کے بیٹے مروان کو جلاوطن کر دیا۔﴿ وہ طائف چلا گیا جہاں وہ اور اس کا بیٹا بھیڑیں چرایا کرتے تھے﴾۔

جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے اس کی جلاوطنی ختم کر دی ﴿اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے والے باپ بیٹے کو مدینہ بلا لیا﴾۔ اس ہمدردی کی وجہ یہ تھی کہ حکم حضرت عثمان کا چچا تھا۔

﴿حضرت عثمان نے اسے صرف واپس بلانے پر قناعت نہ کی بلکہ مال مسلمین میں سے اسے لاکھوں دینار بھی دیئے۔ ان کے عہد میں افریقہ فتح ہوا اس کے مال غنیمت میں سے جتنا خمس بنتا تھا وہ ''مروان'' کے حوالے کر دیا اور حکومت اسلامی کی بہترین جاگیریں اسے عطا کیں۔ اضافہ از مترجم﴾۔

مروان حضرت علیؑ کے عہد حکومت میں ان کا شدید مخالف تھا اور حضرت کو ایذائیں دیا کرتا تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد وہ امام حسنؑ و امام حسینؑ کو برسر منبر سب وشتم کیا کرتا تھا۔

واقعہ کربلا کے بعد مسلمانوں میں یزید کے خلاف ایک لہر اٹھی اور مدینہ کی سر زمین بنی امیہ کے لئے تنگ ہوگئی۔ اہل مدینہ نے ایک انقلاب کے ذریعہ یزید کے عامل کو مدینہ سے بھگا دیا اور بنی امیہ پر سختی کی چنانچہ وہ کثیر تعداد میں وہاں سے بھاگ گئے۔

اہل مدینہ نے مروان کو جلد از جلد مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ مروان کی مجبوری یہ تھی کہ اس کے بیوی بچے بھی مدینہ میں تھے اور اسے خوف تھا کہ اس کی غیر موجودگی

میں کوئی ان پر زیادتی کرے گا اور ایذا پہنچائے گا۔

اس مسئلہ پر مروان نے بڑا غور وخوض کیا آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ بیوی بچوں کو مدینہ میں کسی اہم شخصیت کے گھر میں ٹھہرائے جو ان کے مال وجان کی حفاظت کرے۔ یہ سوچ کر وہ اپنے ہمدرد ''عبداللہ بن عمر'' کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ حالات غیر یقینی ہیں میں یہاں سے بھاگنا چاہتا ہوں آپ میری بیوی بچوں کو امان دیں۔

عبداللہ بن عمر (اگر چہ یزید کا طرفدار تھا لیکن اس) نے مروان کے خاندان کو امان دینے سے انکار کر دیا۔

ابن عمر کے بعد مروان مدینہ کی تمام اہم شخصیات کے پاس گیا لیکن کسی نے بھی اس کے بیوی بچوں کو امان دینے کی حامی نہ بھری۔ سب سے مایوس ہونے کے بعد مروان امام سجاد علیہ السلام کے پاس گیا اور اس بارے میں التجا کی حالانکہ وہ اس سے پہلے اہلِ بیت رسولؐ کو بہت اذیت دے چکا تھا۔ لیکن امامؑ اس کے خاندان کو پناہ دینے اور حفاظت کرنے پر تیار ہو گئے۔

مروان نے اپنی بیوی عائشہ کو جو حضرت عثمان کی بیٹی تھی اور دیگر عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیا اور امام سجاد علیہ السلام کے گھر میں پہنچا دیا اور خود مدینہ سے بھاگ گیا۔

یزید نے کچھ مدت بعد ایک سفاک لشکر ترتیب دیا جس کا سالار مسلم بن عقبہ کو بنایا۔ اس لشکر نے انقلاب کی بیخ کنی کے لئے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ مدینہ والے جانتے تھے کہ جب یہ لوگ شہر میں داخل ہوں گے تو کسی پر رحم نہیں کریں گے چنانچہ جلد ہی انہوں نے ان کے مالوں اور عزتوں پر دست اندازی کی۔ اس واقعہ کو واقعہ حرہ کے

نام سے جانا جاتا ہے۔اس اضطراب مایوسی کی مصیبت میں کثیر عورتوں اور بچوں نے امام سجادؑ کے گھر میں پناہ لی۔

علماء تاریخ لکھتے ہیں کہ اس طوفانِ بلاء میں چار سو سے زیادہ عورتیں اور بچے امامؑ کی پناہ میں رہے۔امامؑ انہیں لیکر مدینہ سے باہر چلے گئے تھے۔یزیدی فوج نے آپ کی منزلت کا خیال کرتے ہوئے آپؑ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

جس وقت مدینہ کے رہنے والوں کا خون بے قدر ہو چکا تھا تو امامؑ نے ان مساکین کو امان دی، کھانا کھلایا، رہنے کی جگہ دی اور لباس دیا۔جب فتنہ ختم ہوا تو ایک عورت نے کہا: خدا کی قسم! مجھے جو سکون امام سجاد علیہ السلام کے گھر میں ملا تھا وہ سکون آج تک مجھے نہ تو اپنے والد کے گھر میں ملا تھا اور نہ ہی شوہر کے گھر میں ملا تھا۔(۷۰)

مجہول الحال مسافر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

میرے جد امجد حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کا دستور تھا کہ آپ ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ سفر کرتے تھے جو آپ کے شناسا نہیں ہوتے تھے۔آپ سفر سے قبل اپنے رفقائے سفر سے فرماتے تھے کہ میں اس شرط پر تمہارے ساتھ سفر کروں گا کہ میں تمہارے ساتھ تمام کام کراؤں گا۔

ایک مرتبہ جب آپ اپنے رفقائے سفر کی خدمت میں مصروف تھے تو ان میں سے ایک شخص نے آپ کو پہچان لیا۔اس نے سارے قافلہ سے کہا: جانتے ہو جو

تمہاری خدمت کر رہے ہیں یہ بزرگوار کون ہیں؟

اہل قافلہ نے نفی میں جواب دیا۔

پہچاننے والے نے کہا: اگر تمہیں معلوم نہیں ہے تو اچھی طرح سے سن لو یہ امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام ہیں۔

اہل قافلہ نے یہ سنا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ آپ کے قدموں میں گر گئے اور کہنے لگے: فرزند رسول! یہ آپ نے کیا کیا؟ کیا آپ ہمیں دوزخ کا ایندھن قرار دلوانا چاہتے ہیں؟ اگر ہم سے کوئی اونچی نیچی بات ہو جاتی تو ہم عذاب کے حقدار بن جاتے۔ آپ نے ہمیں اپنا تعارف پہلے سے کیوں نہ کرایا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ایک مرتبہ اپنے جان پہچان والوں کے ساتھ سفر کیا تھا۔ رسول اکرمؐ کی قرابت داری کی وجہ سے انہوں نے میرا بڑا احترام کیا اور انہوں نے مجھے کسی عمل میں شریک کرنا پسند نہیں کیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کہیں تم مجھ سے ان جیسا سلوک نہ کرو اسی لئے میں نے تمہارے درمیان مجہول الحال مسافر بن کر سفر کیا تا کہ میرے اور میرے کسی ہم سفر کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ (۱۷)

امام سجاد علیہ السلام کی عبادت

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مشہور صحابی تھے۔ خدا نے انہیں طویل عمر دی تھی یہاں تک کہ انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات کی اور انہیں ان کے نانا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام

پہنچایا۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ دختر امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت جابر سے فرمایا: میرا بھتیجا سجاد علیہ السلام کثرت عبادت سے کمزور وناتواں ہوگیا ہے اور اس کی پیشانی، گھٹنے اور ہاتھ لکڑی کی طرح خشک ہو چکے ہیں آپ ان سے ملاقات کریں اور درخواست کریں کہ وہ اپنے آپ پر رحم کریں۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں گئے اور انہوں نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات اور آپ کے چاہنے والوں کے لئے جنت بنائی ہے اور آپ کے دشمنوں کے لئے دوزخ پیدا کی ہے۔ آپ اپنے آپ کو اتنی تکلیف واذیت کیوں دے رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں میرے نانا جان کی منزلت کا علم نہیں ہے۔ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی کمزوریاں دور کی تھیں۔ اس کے باوجود وہ عبادت میں کس قدر کوشاں تھے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان آپؐ نے اتنی عبادت کی کہ قدموں پر ورم آ گیا۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کے ذمہ (نعوذ باللہ) کوئی گناہ بھی نہیں ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اللہ نے ہمیں بہت زیادہ نعمات عطا کی ہیں تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

جابر عبداللہ انصاری نے عرض کیا: مولا! آپ مسلمانوں پر رحم فرمائیں آپؐ کے فیضان وجود سے اللہ مصائب کو دور کرتا ہے اور آپؐ کے طفیل بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: ''جابر! میں مرتے دم تک اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو نہیں چھوڑوں گا''۔(۷۲)

ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام والد کی خدمت میں گئے تو آپ نے دیکھا کہ کثرت عبادت کی وجہ سے ان پر نقاہت طاری تھی، شب بیداری کی کثرت کی وجہ سے آپ کا چہرہ زرد ہو چکا تھا، خوفِ خداوندی میں رونے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سوج چکی تھیں، کثرت سجود سے آپ کی پیشانی زخمی تھی اور طویل قیام کی وجہ سے آپ کے پاؤں متورم ہو چکے تھے۔

اپنے والد ماجد کی یہ حالت دیکھ کر امام محمد باقر علیہ السلام رونے لگے۔ جب آپ نے اپنے فرزند کو روتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: پیارے فرزند! اپنے دادا امیر المومنینؑ کی کتابوں میں سے کوئی کتاب یہاں لاؤ۔

امام محمد باقر علیہ السلام ایک کتاب لائے۔ حضرت سجادؑ نے اس کے چند صفحات کا مطالعہ کیا پھر آپ نے کتاب زمین پر رکھ دی اور فرمایا: کس میں یہ استطاعت ہے کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام جیسی عبادت کر سکے؟(۷۳)

حِلم کا کوہِ گراں

ایک دن امام سجاد علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کے چچازاد حسن بن امام حسنؑ کا وہاں سے گزر ہوا۔ وہ آپ کا مخالف تھا۔ جب اس نے امام عالی مقام کو دیکھا تو آپ کے لئے توہین آمیز کلمات ادا کئے۔

اس کے توہین آمیز جملے سن کر آپ خاموش رہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی خاموش رہنے کا حکم دیا۔

دوسرے دن امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم میرے ساتھ میرے چچا زاد کے گھر تک چلو۔ چنانچہ آپ اپنے بہت سے پیروکار ساتھیوں کو لے کر اس کے دروازے پر پہنچے۔

جب اس نے امام کو بہت سے ساتھیوں سمیت دیکھا تو اس یقین ہو گیا کہ امام اس سے گفتگو کا انتقام لینے کے لئے آئے ہیں اور اس پر عتاب کریں گے۔ لیکن امام علیہ السلام نے شفقت آمیز لہجہ میں اس سے کہا: میرے چچا زاد! کل جو کچھ تم نے میرے متعلق کہا تھا اگر وہ سچ ہے تو میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری مغفرت فرمائے اور اگر تم نے غلط بیانی کی تھی تو میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں معاف فرمائے۔ امام علیہ السلام کا یہ حسن سلوک دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اس نے آپ کے ہاتھوں اور پیشانی کا بوسہ لیا اور آپ سے معذرت طلبی کرتے ہوئے کہا: میں نے کل جو کچھ کہا تھا وہ سب غلط تھا آپ میں وہ نقائص نہیں ہیں۔ میرے بیان کردہ تمام نقائص خود مجھ میں موجود ہیں۔ (۷۴)

گناہ گار سے درگزر کرنے والا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس کچھ مہمان آئے۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ ان کے لئے کباب بناؤ۔ غلام کباب بنانے لگا۔ امام علیہ السلام کا ایک کمسن بچہ کباب لینے کے لئے آیا۔ غلام نے سیخ اٹھائی تو وہ گرم سیخ اچانک بچے پر گری اور بچہ مرگیا۔

غلام نے خیال کیا کہ اب امام علیہ السلام اسے سزا دیں گے۔ چنانچہ اس نے آپ کے سامنے قران کریم کی آیت مجیدہ کا یہ ٹکڑا پڑھا۔ ''والکاظمین الغیظ'' (وہ جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں)

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے غصہ کو ضبط کرلیا ہے۔ اس کے بعد غلام نے آیت مجیدہ کا دوسرا ٹکڑا پڑھا۔ ''والعافین عن الناس'' (وہ جو قصوروار وں کا قصور معاف کردیتے ہیں)

آپ نے فرمایا: میں نے تیری خطا معاف کی ہے۔

اس کے بعد غلام نے آیت مجیدہ کا تیسرا حصہ پڑھا۔ "واللہ یحب المحسنین" (آلِ عمران۔ آیت ۱۳۴) (اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے)

آپؑ نے فرمایا: میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔

غصہ کے وقت صراط مستقیم پر قائم رہنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے لیکن امام زین العابدین نے اختیار رکھنے کے باوجود اس مشکل وقت میں درجۂ عالی پالیا اور غلام کو سزا دینے کی بجائے نہ صرف معاف کیا بلکہ اسے آزاد کردیا۔ (۷۵)

امامِ کی عیدی

جب عیدالفطر کا دن آتا تو امام زین العابدین علیہ السلام اپنے غلاموں، خادموں اور کنیزوں کو اپنے پاس بلاتے اور دوران سال ہر ایک سے جو غلطی ہوئی تھی اسے اس کی غلطیاں یاد دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج عید کا دن ہے میں نے تمہاری تمام غلطیاں معاف کی ہیں اور خدا کی راہ میں تمہیں آزاد کر رہا ہوں۔ اب تم سب مل کر خدا کی بارگاہ میں یہ کہو:

پروردگار! علی بن الحسین علیہ السلام نے ہماری غلطیاں معاف کر دی ہیں تو بھی اس کی لغزشیں معاف فرما اور اس کی خطاؤں سے درگزر فرما۔ اس نے ہمیں آزاد کیا ہے تو بھی اسے نار جہنم سے آزاد فرما۔ (۷۶)

خاکِ شفا کی تاثیر

محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ایک بلند پایہ شاگرد تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں کوفہ سے مدینہ منورہ گیا۔ جب میں مدینہ پہنچا تو سخت بیمار ہو گیا اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔

میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو امام محمد باقر علیہ السلام کا غلام اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں پانی کا ایک پیالہ تھا اور اس کے اوپر ایک رومال تھا۔

اس نے وہ پیالہ مجھے دیا اور کہا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے تم سے فرمایا ہے کہ تم یہ پانی پیو اور مجھے نصیحت کی ہے کہ میں تمہیں پانی پلوانے کے بعد واپس آؤں۔

میں نے پیالہ لیا اور اس کا پانی پی لیا۔ وہ پانی اتنا لذیذ اور خوشبودار تھا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس سے زیادہ لذیذ پانی کبھی نہیں پیا تھا۔ میں پانی پی کر جیسے ہی فارغ ہوا تو مجھے اپنے جسم میں عجیب قوت کا احساس ہوا۔

غلام نے کہا: امام علیہ السلام تمہیں اسی وقت اپنے پاس بلا رہے ہیں۔

میں نے کہا: میں تو چلنے پھرنے کے لائق نہیں ہوں اور بسترِ بیماری پر لیٹا ہوا ہوں میں مولا کی خدمت میں کیسے حاضری دوں؟

غلام نے کہا: یہ امام علیہ السلام کا حکم ہے۔

میں اٹھا تو مجھے یوں لگا جیسے مجھے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ لہذا میں خوشی خوشی امام علیہ السلام کے دار الشرف کی طرف روانہ ہوا۔ جب میں دروازے پر پہنچا تو میں نے دستک دی۔ اندر سے مولا نے مجھے آواز دے کر فرمایا: اب تو تمہیں تندرستی مل گئی ہے۔ اندر آجاؤ۔ میں اندر گیا، امام علیہ السلام کو سلام کیا اور حضرت کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا اور وفورِ جذبات سے رونے لگا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: محمد بن مسلم! کیوں روتے ہو؟

میں نے کہا کہ میں آپ سے دوری پر روتا ہوں۔ کیونکہ میرا گھر یہاں سے بہت دُور ہے اور میں ہر وقت آپ کی زیارت نہیں کر سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح سے اللہ ہمارے محبوں اور شیعوں کی آزمائش کرتا ہے۔ ویسے بھی مومن اس جہاں میں تنہا ہے جب تک وہ اس دارِ فانی کو چھوڑ کر

خدا کے حضور نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس کی تنہائی جاری رہتی ہے اور اس دوری کی شکایت تو ہمیں بھی ہے۔ ہم یہاں مدینہ میں رہ رہے ہیں جب کہ ہمارے جد مظلوم کا مرقد مطہر عراق میں فرات کے کنارے پر ہے۔ البتہ تم نے اپنے جس اشتیاقِ ملاقات کا ذکر کیا ہے تو اللہ تمہارے باطن سے واقف ہے اور تمہیں تمہاری سچی نیت کا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے جاتے رہتے ہو؟

میں (راوی) نے کہا۔ جی ہاں، جاتا ہوں لیکن سخت خوف کے عالم میں جاتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یاد رکھو! جتنا خوف زیادہ ہے اجر بھی اتنا ہی زیادہ ہے جو شخص خوف کے عالم میں کربلا کا سفر کرے گا اللہ اسے روز آخرت کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور جب وہ زیارت سے واپس آتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے اس مشروب کو کیسا پایا؟

میں نے عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اہل بیتؑ رحمت اور مخزنِ حکمت ہیں۔ جب آپ کا غلام آپ کا ارسال کردہ مشروب لے کر آیا تھا تو اس وقت میں حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں تھا اور اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا لیکن جب میں نے اس لذیذ اور خوشبو دار مشروب کو پیا تو میری بیماری کافور ہوگئی اور میں تندرست ہو گیا اور جب آپ کے غلام نے مجھے آپ کا یہ پیغام سنایا کہ میں آپ کے پاس آؤں تو اس وقت میں نے دل ہی دل میں کہا تھا کہ میں امام کی ضرور اطاعت کروں گا خواہ میری زندگی ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔ جب میں نے بستر سے اٹھ کر

زمین پر قدم رکھا تو مجھے یوں لگا جیسے کسی نے مجھے زنجیروں سے آزاد کر دیا ہو۔ میں اس خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے آپ حضرات کو اہل ایمان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: تم نے جو مشروب پیا ہے اس میں قبر حسینؑ کی مٹی ملی ہوئی تھی اور تربت حسینؑ دنیا کی بہترین دوا ہے کوئی دوا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہم اپنے گھروں میں اسے بطور دوا استعمال کرتے ہیں اور اس میں ہزاروں فوائد ہیں۔ (۷۷)

بیکار انسان خدا کو ناپسند ہے

محمد بن منکدر بن عبداللہ بن ہریر تیمی مدنی، اہل سنت کا ایک عالم و فاضل گزرا ہے اس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ گرمیوں کے ایام میں دوپہر کے وقت میں مدینہ کے نواح سے گزر رہا تھا۔ شدید گرمی کی وجہ سے ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور راستے اور گلیاں سنسان پڑی تھیں۔

میں تھوڑی دور چلا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو وہ امام محمد باقر علیہ السلام تھے۔ آپ نے کدال اٹھائی ہوئی تھی اور سخت محنت کر رہے تھے اور محنت کی وجہ سے پسینہ میں شرابور تھے۔

میں نے ان سے کہا: ''میرے سردار! اس پیرانہ سالی میں آپ اتنی زحمت کیوں کر رہے ہیں۔ کیا آپ اس سے نہیں ڈرتے کہ یہ دن آپ کی زندگی کا آخری دن ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جواب دیا: اگر اس حالت میں مجھے موت آ گئی تو میری موت اطاعت خدا کی حالت میں ہوگی کیونکہ میں محنت و مشقت کر رہا ہوں تا کہ مجھے تجھ جیسے اشخاص کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ مجھے موت کا ڈر تو جب ہوتا جب میں خدا کی نافرمانی میں مصروف ہوتا۔

میں نے کہا: خدا آپ پر رحم فرمائے۔ میں تو آپ کو نصیحت کرنے آیا تھا لیکن آپ نے مجھے نصیحت کر دی۔

بیکار شخص اللہ کے غضب کو برانگیختہ کرتا ہے۔(۷۸)

جنت کا محل

جبل عامل (لبنان) میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک محبّ رہتا تھا۔ اس کا شمار جبل عامل کے اشراف اور با اثر لوگوں میں ہوتا تھا۔

ایک سال وہ حج کے لئے روانہ ہوا تو پہلے مدینہ منورہ آیا اور حسبِ عادت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کی، دس ہزار درہم امام علیہ السلام کے حوالے کئے اور عرض کیا: مولا! میں چاہتا ہوں کہ اس رقم سے آپ میرے لئے ایک مکان خریدیں۔ امامؑ آمادہ ہو گئے اور اس سے رقم لے لی۔

اس کے جانے کے بعد امام علیہ السلام نے اس کی دی ہوئی رقم فقرا اور سادات میں تقسیم کر دی۔ حج سے فارغ ہو کر وہ مدینہ آیا اور امام علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے میرے لیے کوئی مکان خریدا ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کا قبالہ تمہیں دوں؟ اس نے کہا: جی ہاں! یابن رسول اللہؐ۔ آپ نے ایک قبالہ اس کے سپرد کیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"جعفر بن محمد نے جبل عامل کے رہنے والے فلاں بن فلاں کے لئے جنت میں ایک محل خریدا ہے جس کا محل وقوع یہ ہے۔ اس محل کا ایک سرا حضرت رسول اکرمؐ کے محل سے متصل ہے اور اس کا دوسرا حصہ قصر امیر المومنینؑ سے متصل ہے اس کا تیسرا حصہ قصرِ مجتبیٰ سے متصل ہے اور اس کا چوتھا حصہ قصر امام حسینؑ کے ساتھ متصل ہے"۔

اس مومن نے جب قصرِ جنت کا قبالہ دیکھا تو بہت خوش ہوا، تحریر کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کہا: میں اس خریداری پر راضی ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے مزید فرمایا: تمہاری دی ہوئی رقم میں نے فقرا اور سادات میں تقسیم کر دی تھی۔

اس شخص نے عالمِ سرخوشی میں وہ قبالہ لیا اور اپنے وطن روانہ ہو گیا اور وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد یہ قبالہ اس کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ الغرض ایک مرض میں اس مومن کی وفات ہو گئی۔ اس کے ورثاء نے اسے غسل و کفن دیا اور امامؑ کی لکھی ہوئی تحریر اس کے کفن میں رکھ کر اسے دفن کر دیا۔ دوسرے دن لوگ قبر پر آئے تو وہاں پر ایک کاغذ رکھا تھا جس پر یہ الفاظ تحریر تھے۔ "جعفر بن محمد علیہ السلام نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے"۔ (۷۹)

باسلامت زبان

بنو عباس کے ایک بڑے سرکاری افسر کا ایک غلام تھا جس کا نام ''رفید'' تھا۔ کسی غلطی کی وجہ سے آقا اس پر ناراض ہو گیا اور اس کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ جب ''رفید'' کو اس کے ارادے کا علم ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ طلب کی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس چلے جاؤ اور اسے میرا سلام پہنچاؤ اور اس سے کہو کہ فرزند رسول جعفر بن محمدؑ کہہ رہے ہیں کہ تم مجھے کوئی اذیت نہ دو۔

غلام نے کہا: مولا! میرا آقا تو شامی ہے اور آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اکثر شامی آپ کے خاندان کے مخالف ہیں اگر میں نے اسے آپ کا پیغام پہنچایا تو وہ اور زیادہ ناراض ہو جائے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں فکر مند ہونے اور ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم اسے میرا یہ پیغام پہنچانا۔

آپ کا فرمان سن کر غلام اپنے آقا کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ صحرا میں سفر کر رہا تھا کہ ایک اعرابی سے اس کی ملاقات ہوئی جو کہ علم قیافہ اور مستقبل بینی کا ماہر تھا۔

اعرابی نے اسے دیکھا تو کہا: تم کہاں جا رہے ہو، مجھے تو تمہارے چہرے پر موت کی پرچھائیاں حرکت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ پھر اس نے غلام کے ہاتھوں کو پکڑ

کر دیکھا تو کہا: یہ ہاتھ بتاتے ہیں کہ تم بہت جلد قتل ہونے والے ہو۔

پھر اس نے غلام کے قدموں کو غور سے دیکھا اور کہا: یہ پاؤں موت کی جانب جا رہے ہیں۔

الغرض وہ غلام کے ایک ایک عضو کو دیکھتا گیا اور اس کی موت کی پیشین گوئی کرتا گیا۔ آخر میں اس نے کہا کہ اب تم مجھے اپنی زبان دکھاؤ۔ غلام نے اسے زبان دکھائی تو اس نے زبان کو بڑی توجہ سے دیکھا اور کہا: موت سے مت ڈرو۔ مجھے تمہاری زبان پر ایک پیغام دکھائی دیتا ہے اگر تم وہ پیغام پہاڑوں سے بھی کہو گے تو بھی وہ تمہاری اطاعت کریں گے۔

غلام نے اپنا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اپنے آقا کے دروازے پر پہنچ گیا اسے دوسرے غلاموں نے گرفتار کیا اور اس کے آقا نے کہا کہ اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ غلام نے کہا: امیر! آپ ٹھہر جائیں اور جلد بازی سے کام نہ لیں۔ آپ لوگوں نے مجھے گرفتار نہیں کیا میں خود اپنے پاؤں چل کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ کو مجھے قتل کرانا ہے تو بے شک کرائیں لیکن قتل سے پہلے آپ مجھے تنہائی میں وقت دیں اور ایک پیغام سن لیں اس کے بعد اگر آپ کی مرضی ہو تو مجھے قتل کرا دیں۔

اس نے تمام نوکروں سے کہا کہ تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔ جب سارے نوکر وہاں سے چلے گئے تو غلام نے کہا: میرے اور تمہارے آقا جعفرؑ بن محمدؑ تمہیں سلام کہہ رہے تھے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ میرے ضامن اور جائے پناہ ہیں۔

شامی امیر نے حیران ہو کر کہا: کیا تو قسم کھا کر کہہ سکتا ہے کہ امام علیہ السلام نے مجھے سلام بھجوایا ہے؟

غلام نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی مولا نے تمہیں سلام بھجوایا ہے۔

اس نے دو مرتبہ غلام سے یہی سوال کیا اور ہر بار غلام نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا۔

یہ سنا تو امیر نے اس کی رسیاں خود کھولیں اور کہا: مجھے سکون تب ملے گا جب تم یہ رسیاں مجھے باندھو گے۔

غلام نے کہا: میں آپ کے متعلق یہ جسارت نہیں کر سکتا۔

بعد ازاں اس نے اسے اپنی انگشتری دی اور کہا: آج سے میرے تمام معاملات کے نگران تم ہی ہو گے۔ میری تمام دولت تمہارے ہاتھ میں ہو گی، اسے جیسے چاہو خرچ کرو۔

یوں امام علیہ السلام کی سفارش سے غلام کو یقینی موت سے نجات مل گئی اور وہ اپنے مالک کا مختارِ عام بن گیا۔ (۸۰)

قیمتی سفارش

''نجاشی'' امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک محبّ تھا اور ''اہواز'' کا حاکم تھا۔

اس کا ایک شیعہ ملازم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: مولا! مجھے ٹیکس اور لگان کی مد میں نجاشی کو دس ہزار درہم ادا کرنے ہیں لیکن میرے پاس اتنی بڑی رقم موجود نہیں ہے اور میں ادائیگی کے قابل نہیں ہوں۔ نجاشی آپ کا شیعہ ہے، مومن شخص ہے اور اہلِ بیت کا مطیع اور محبّ ہے۔ آپ اس کے نام

پر سفارشی رقعہ تحریر فرمائیں تا کہ وہ مجھے یہ لگان معاف کر دے۔

امام علیہ السلام نے اس کے نام ایک سفارشی رقعہ تحریر کیا جس میں آپ نے فقط یہ الفاظ تحریر فرمائے: ''اپنے بھائی کوخوش کرتا کہ خدا تجھ سے خوش ہو''۔

اس شخص نے حضرت کا وہ رقعہ لیا اور سیدھا حاکم اہواز نجاشی کے پاس گیا جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو گیا تو اسے امام کا خط دیا اور کہا: یہ امامِ صادقؑ کا خط ہے۔نجاشی نے آپ کے خط کا بڑا احترام کیا اور چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ خط پڑھنے کے بعد اس نے کہا کہ اب بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟

اس شخص نے کہا کہ مجھ پر لگان کی رقم دس ہزار درہم بنتی ہے اور میں اسے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

نجاشی نے لگان کا رجسٹر منگایا اور تحصیلدار سے کہا کہ اس کا لگان میرے کھاتے میں ڈال دو اور صرف اسی پر اکتفا نہ کرو اس کے آئندہ سال کا لگان بھی قبل از وقت میرے کھاتے میں ڈال دو۔ پھر اس نے کہا: اب بتاؤ کیا تم خوش ہو؟

اس شخص نے کہا: جی ہاں، میں راضی ہوں۔

بعد ازاں نجاشی نے حکم جاری کیا کہ اسے ایک گھوڑا، کنیز، غلام اور بہترین لباس دو۔

جب اسے ہر چیز مل گئی تو نجاشی نے کہا: اب تم راضی ہو؟

اس شخص نے کہا: جی ہاں، میں راضی ہوں۔

اس کے بعد نجاشی نے کہا میرے دفتر کا تمام ساز و سامان اس کے حوالے کر دو۔

الغرض وہ شخص خوش ہو کر نجاشی کے پاس سے لوٹا۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ مومن امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے امام علیہ السلام کے سامنے نجاشی کے حسنِ سلوک کا تذکرہ کیا۔

امام علیہ السلام نجاشی کے طرز عمل کو سن کر بے حد خوش ہوئے۔

اس شخص نے کہا: مولا! معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کے طرز عمل سے آپ کو بھی خوشی ہوئی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اس کے طرز عمل سے اللہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خوش ہوئے ہیں۔ (۸۱)

سچا وعدہ

ایک جوان نے کافی عرصہ تک بنی امیہ کے سیکرٹریٹ میں ملازمت کی۔ ایک مرتبہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک شیعہ علی بن ابی حمزہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم امام جعفر صادق علیہ السلام سے میری ملاقات کراؤ۔

علی بن ابی حمزہ نے مولا سے اس جوان کے لئے کہا تو آپ نے اسے آنے کی اجازت دی۔ وہ شخص مولا کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام علیہ السلام سے عرض کیا: مولا! میں نے ایک عرصہ تک بنی امیہ کے ہاں ملازمت کی ہے، وہاں رہ کر خوب مال بٹورا ہے اور میں نے حلال و حرام کا کبھی خیال نہیں رکھا تھا۔ اب میں اپنے کئے پر نادم ہوں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر بنی امیہ کو تجھ جیسے افراد نہ ملتے جوان کے لئے خراج جمع کرتے اور جوان کے کاتب بنتے اور جوان کے لئے مال غنیمت لاتے اور جوان کی حکومت کے استحکام کے لئے جنگیں کرتے ہیں تو بنی امیہ اکیلے ہمارا حق کبھی غصب نہیں کر سکتے تھے اور اگر تم جیسے لوگ ان کے مددگار نہ ہوتے تو لوگ ان سے منہ پھیر لیتے اور بنی امیہ مالِ دنیا اور قوت حاصل نہ کر سکتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی باتیں سن کر نوجوان بہت شرمندہ ہوا اور اس نے کہا: مولا! میں آپ پر قربان اب بتائیں اس گناہ سے نجات کا کیا طریقہ ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو میرے کہنے پر عمل کرے گا؟

نوجوان نے کہا: جی ہاں فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو نے جتنا بھی رزق حرام کمایا ہے وہ سب کا سب واپس کردے۔ اگر تجھے کسی مالک کا علم ہو تو اس سے لوٹا ہوا مال اسے واپس کر اور اگر مجہول المالک مال ہو تو اسے خدا کی راہ میں خرچ کردے۔ اگر تو نے میرے کہنے پر عمل کیا تو میں تیرے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

جوان نے کچھ دیر تک سر جھکائے رکھا۔ پھر اس نے سر بلند کر کے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، ان شاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔

اس کے بعد وہ جوان علی بن ابی حمزہ کے ساتھ کوفہ واپس چلا گیا۔ اس کے پاس جتنی بھی دولت تھی اس نے اس کے مالکوں کو بلا کر واپس کی اور جس کا اسے وارث یاد نہ تھا تو اس نے وہ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کردی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے پہننے کے کپڑے تک بھی راہ خدا میں دے دیئے۔

جب چند شیعوں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کچھ رقم جمع کی اور کپڑے خرید کر اسے پہنائے۔

چند ماہ بعد وہ شخص بیمار ہوا۔علی بن ابی حمزہ اس کی عیادت کے لئے گیا۔اس وقت اس شخص پر نزع کا عالم طاری تھا۔اس دوران اچانک جوان نے آنکھیں کھولیں اور کہا: خدا کی قسم جعفر صادقؑ نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔

چند لمحات بعد اس کی وفات ہوگئی۔علی بن ابی حمزہ نے اسے غسل دیا اور دیگر اہل ایمان نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کردیا۔

کچھ عرصہ بعد علی بن ابی حمزہ مدینہ گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام علیہ السلام انہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا: میں نے تمہارے دوست سے کیا ہوا وعدہ پورا کردیا ہے۔

علی بن ابی حمزہ نے کہا: میں آپ پر قربان بے شک آپ سچ فرمارہے ہیں مرتے وقت اس جوان نے بھی یہی کہا تھا۔(۸۲)

شکر اضافہِ نعمت کا موجب ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام مناسک حج کی ادائیگی کے لئے ''منیٰ'' میں تشریف فرما تھے۔ایک سائل آپ کے پاس آیا اور کہا: مجھے کچھ دو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے غلام سے فرمایا: اسے کچھ انگور دے دو۔

سائل نے کہا: مجھے انگوروں کی ضرورت نہیں ہے مجھے نقد رقم کی ضرورت ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمہیں وسیع رزق دے۔ آپ نے اسے کچھ نہ دیا۔

کچھ دیر بعد ایک اور گداگر آیا اس نے امام سے کچھ مانگا آپ نے غلام سے فرمایا کہ اسے انگور کے خوشے سے تین انگور کے دانے دے دو۔

جب اسے انگور کے تین دانے ملے تو اس نے کہا: خدا کی حمد ہے جس نے مجھے رزق عطا کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے اسے بلایا اور دونوں ہتھیلیاں بھر کر اسے انگور دیئے۔ اس بار بھی سائل نے اللہ کی حمد کی۔ امام علیہ السلام نے اس سے کہا: تھوڑی دیر ٹھہرو۔ پھر غلام سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ نقد رقم موجود ہے؟

غلام نے عرض کیا: میرے پاس بیس درہم موجود ہیں۔

امامؑ نے وہ رقم بھی اس کو دے دی۔ سائل نے تیسری بار خدا کی حمد کی۔ امام علیہ السلام نے اپنی قمیض اتار کر اسے دے دی، اس نے قمیض پہنی اور خدا کا شکر ادا کیا اور امامؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے اللہ کے بندے جو کچھ آپ نے میرے ساتھ کیا ہے اللہ آپ کو اس کی بہترین جزا دے۔ پھر وہ چلا گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ جب تک سائل خدا کی حمد کرتا رہا تو امام علیہ السلام اسے بلا کر مزید عطا کرتے رہے اور جب اس نے امام کا شکریہ ادا کیا تو آپ نے اپنا دستِ سخاوت روک لیا۔ (۸۳)

دعا برائے تعجیل کشائش

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ نے ان کیلئے چالیس سال کے لئے عذاب مقرر کیا تھا اور طے کیا تھا کہ وہ اس عرصہ میں فراعنہ کی غلامی میں رہیں گے۔

جب بنی اسرائیل کو ظلم وستم سہتے بتیس برس گزر گئے تو انہوں نے چالیس دن تک رو رو کر اللہ سے معافی مانگی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارونؑ سے کہا کہ میں نے بنی اسرائیل کو معاف کیا ہے اور ان کے اوپر سے عذاب کو ہٹا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو نبوت کے لئے مبعوث کیا اور بنی اسرائیل کے لئے ایک سو ستر برس کا عذاب دور کر دیا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

شیعو! جب تم اپنی مظلومیت کو دیکھ کر گریہ کرو گے اور بنی اسرائیل کی طرح سے خدا سے توسل کرو گے اور اس سے کشائش طلب کرو گے تو وہ اس امر کے ظہور کے ذریعہ سے ہماری کشائش میں جلدی کرے گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ عذاب مقررہ مدت تک باقی رہے گا۔ (۸۴)

تفسیرِ عیاشی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو وحی فرمائی کہ تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔ انہوں نے حضرت سارہؑ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: ءالدوانا عجوز۔ خدائے تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ عنقریب اس کے ہاں بچہ پیدا

ہوگا اور چونکہ اس نے میرے کلام پر تعجب کیا ہے اس لئے چار سو برس اس کی اولاد کو عذاب پہنچے گا۔

امامؑ فرماتے ہیں: جب بنی اسرائیل پر عذاب زیادہ ہوا تو چالیس دن تک انہوں نے خدا کے حضور بہت گریہ وزاری کی۔ خدائے تعالیٰ نے موسیٰؑ و ہارون کو وحی فرمائی کہ ہم ان کو فرعون کے ہاتھ سے نجات دیں گے اور ان چار سو برس سے ایک سو ستر برس کم کر دیئے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت نے فرمایا: اسی طرح ہمارے شیعہ اگر گریہ وزاری کریں تو خدائے تعالیٰ قائم آلِ محمدؐ کا ظہور جلد فرمائے گا ورنہ وقت ظہور ضرور پورا ہوگا۔ (مصحح عفی عنہ)

ایک مکّار صوفی کو سرزنش

سفیان بن عیینۃ الثوری جسے عرف عام میں سفیان ثوری کہا جاتا ہے، امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کا فرد تھا۔ اس کے عقائد امام صادقؑ کے عقائد سے مختلف اور تعلیمات اسلامیہ کے خلاف تھے۔ وہ اس جستجو میں رہتا تھا کہ کسی طریقے سے امام جعفر صادق علیہ السلام کو شرمندہ کرے۔ ایک دفعہ وہ آپ کی مجلس میں آیا جہاں متعدد افراد اور امامؑ کے شاگرد جمع تھے۔ آپ نے اس وقت قیمتی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ گھور گھور کر آپ کے لباس کو دیکھنے لگا۔ اور دل ہی دل میں بے حد خوش ہوا کہ آج مجھے امام پر اعتراض کرنے کا موقع ہاتھ لگا۔

امام علیہ السلام نے اسے یوں گھورتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس سے فرمایا:

اے عیینہ کے بیٹے! کیا ہوا؟ میں تم کو حیران پا رہا ہوں کیا میرے اس قیمتی کپڑے کی وجہ سے حیرت میں ہو؟

سفیان نوری نے کہا: فرزند رسولؐ! آپ کے آباء واجداد اس قسم کا قیمتی لباس نہیں پہنتے تھے۔

جب سب لوگ چلے گئے امام علیہ السلام نے اس کو اپنے قریب بٹھا کر فرمایا:

اے عیینہ کے فرزند! ہمارے آباء واجداد کا زمانہ غربت اور تنگی کا زمانہ تھا اور ہمارے آباء فقر میں گزر بسر کرتے تھے لیکن ہمارے زمانے میں ہر طرف دولت اور امارت پھیلی ہوئی ہے پھر آپ نے اپنی قیمتی قمیض اٹھائی تو اس کے نیچے آپ نے اون کا موٹا جھوٹا لباس پہنا ہوا تھا۔

پھر آپ نے فرمایا: میں نے یہ اونی لباس اللہ سے عاجزی کے اظہار کے طور پہنا ہوا ہے۔ اور یہ قیمتی لباس لوگوں کو دکھانے کے لئے جن کی عقلیں تمہاری طرح ہیں۔ ہم اسے چھپاتے ہیں جو اللہ کے لئے ہو اور اسے ظاہر کرتے ہیں جو تمہارے لئے ہو۔ (۸۵)

دہلیز رحمت

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک غلام تھا۔ آپ جب بھی مسجد جاتے گھوڑے پر سوار ہوتے تو غلام کو بھی ساتھ لے جاتے۔ مسجد کے قریب پہنچ کر آپ گھوڑے سے اتر کر مسجد میں چلے جاتے اور غلام گھوڑے کی باگ تھامے رہتا۔ جب آپ نماز سے

فارغ ہو کر باہر آتے تو وہ آپ کی خدمت میں گھوڑا پیش کرتا تھا۔

حسب معمول ایک دن غلام مسجد کے قریب حضرت کے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا کہ اس کے پاس کچھ خراسانی تاجر آئے۔ ان میں سے ایک نے غلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں انتہائی دولت مند شخص ہوں۔ میں اپنی ساری دولت تجھے دینا چاہتا ہوں، بتاؤ کیا تم قبول کرو گے؟

غلام نے کہا: کیوں نہیں لوں گا؟

خراسانی تاجر نے کہا: اس کیلئے تمہیں صرف ایک کام کرنا ہوگا۔ تم امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کرو کہ وہ تمہیں آزاد کر دیں اور تمہاری جگہ مجھے اپنا غلام بنا لیں۔ اگر تم نے مولا سے یہ درخواست منظور کرا دی تو میں اپنی ساری دولت تمہارے سپرد کر دوں گا اور خود ساری زندگی اپنے مولا کی غلامی کروں گا۔

غلام نے خوش ہو کر کہا: میں اپنے آقا کی خدمت میں جا کر ابھی درخواست کرتا ہوں۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: مولا! میری جان آپ پر قربان! آپ تو جانتے ہیں کہ میں کافی عرصہ سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں اگر خدا مجھے کوئی نعمت دینا چاہے تو کیا آپ اس میں رکاوٹ ڈالیں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں۔

اس کے بعد غلام نے اپنی اور خراسانی تاجر کی گفتگو امام کے حضور نقل کی۔ آپ نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا: اگر تم ہماری خدمت چھوڑنا چاہتے ہو اور تمہاری جگہ وہ شخص ہماری خدمت کرنا چاہتا ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم اسے قبول کر لیں گے اور تمہیں آزاد کر دیں گے۔

امام علیہ السلام کا یہ فرمان سن کر وہ خوشی خوشی باہر نکلنے لگا اچانک امام نے اسے پیچھے سے صدا دی اور فرمایا: تم نے ایک طویل عرصہ تک ہماری خدمت کی ہے اس لئے میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہتا ہوں لہذا میری گفتگو کو غور سے سنو۔ اس کے بعد جو تمہارے جی میں آئے اس کے مطابق عمل کرنا۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور خداوندی سے وابستہ ہوں گے اور امیر المومنین علیہ السلام رسول خداؐ کے دامن سے وابستہ ہوں گے اور ائمہ ہدیٰ امیر المومنین علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہوں گے۔ اور شیعہ ائمہ کے دامن سے وابستہ ہوں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بلندی پر جائیں گے اور جہاں داخل ہوں گے وہاں ہم اور ہمارے پیروکار شیعہ بھی داخل ہوں گے۔

جب غلام نے امام علیہ السلام کا یہ فرمان سنا تو اس نے آپ سے کہا میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کی خدمت میں رہوں گا میں دنیا کو آخرت پر ہرگز ترجیح نہیں دوں گا۔

یہ کہا اور غلام خراسانی شخص کی طرف آیا۔ اس وقت اس کا چہرہ نورِ ایمان سے دمک رہا تھا۔

خراسانی نے غلام سے کہا: کیوں خیریت تو ہے۔ جب تم گئے تھے تو چہرے کا انداز اور تھا اور اب آئے ہو تو چہرہ کا انداز کچھ اور ہے؟!

غلام نے اسے امام علیہ السلام کی ساری گفتگو سنائی اور پھر اپنا آخری فیصلہ سنایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام غلام کے فیصلے سے متاثر ہوئے اور آپ نے غلام کو ایک ہزار طلائی دینار عطا فرمائے۔ (۸۶)

صورت انسانی باطن حیوانی

ابوبصیرؓ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک بلند پایہ شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک دن امام علیہ السلام سے کہا: مولا! یہ بتائیں ہم شیعوں کو اپنے مخالفین پر آخر کون سی برتری حاصل ہے جب کہ ان میں سے بعض کو دنیاوی نعمات ولذات ہم سے کہیں زیادہ میسر ہیں اور وہ ہم سے بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہیں ہم سے بھی زیادہ جنت جانے کی امید ہے!!

امام علیہ السلام نے اس وقت انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جب ایامِ حج آئے تو امام علیہ السلام نے ابوبصیرؓ اور بہت سے شیعوں کو اپنے ساتھ لیا اور مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔

جب آپ کعبہ پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ہزاروں زائرین بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور ان کی تسبیح وتہلیل کی وجہ سے ایک شور بلند ہو رہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: شور وغوغا بہت زیادہ ہے لیکن اصل حاجی بہت کم ہیں۔ پھر آپ نے ابوبصیرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے محمد مصطفیٰؐ کو نبوت کیلئے مبعوث فرمایا۔ اللہ تجھ جیسے شیعوں کے علاوہ کسی کا حج قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے ابوبصیرؓ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو حجاب اٹھ گئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ طواف کرنے والوں کی اکثریت سوروں اور بندروں پر مشتمل ہے۔ (۸۷)

شک اور ایمان

امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص منکر خدا تھا جس کا نام عبدالملک تھا۔ یہ شخص توحید اور اللہ کی معرفت کی بحث کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا۔

(امام جعفر صادق علیہ السلام اور منکر خدا کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہم اسے یہاں مکالمہ کی صورت میں لکھتے ہیں۔)

امام علیہ السلام: کیا تو جانتا ہے کہ زمین کے اوپر اور نیچے کیا ہے؟

ملحد: ہاں۔

امام علیہ السلام: کیا تو زمین کی گہرائیوں میں اترا ہے؟

ملحد: نہیں۔

امام علیہ السلام: کیا تو جانتا ہے کہ زمین کے نیچے کیا پایا جاتا ہے؟

ملحد: میں نہیں جانتا البتہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔

امام علیہ السلام: اچھا یہ بتاؤ کیا تم آسمان پر چڑھے ہو؟

ملحد: ہرگز نہیں۔

امام علیہ السلام: بڑی عجیب بات ہے تم نہ تو مشارق زمین تک گئے ہو اور نہ ہی تم نے مغاربِ زمین کو دیکھا ہے اور تم زمین کے اندر بھی داخل نہیں ہوئے اور تم آسمان پر بھی نہیں چڑھے جبکہ عین ممکن ہے کہ وہاں کوئی مخلوق ہو لیکن تم نے کچھ دیکھے بھالے بغیر ہر چیز کا انکار کر دیا ہے۔ کیا عقل کا یہ تقاضا ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اس کا انکار کر دیا جائے۔

ملحد: آپ نے مجھے لاجواب کردیا۔ اس طرح کی گفتگو آج سے قبل کسی نے مجھ سے نہیں کی تھی اب مجھے اپنے نظریات پر شک ہونے لگا ہے۔

امام علیہ السلام: اس کا مقصد یہ ہے کہ تجھے خدا کے وجود اور اس کے عدم کے متعلق شک ہے؟

ملحد: جی ہاں، ایسا ہی ہے۔

جب اس نے اپنے شک کا اعتراف کرلیا تو امام علیہ السلام نے اسے عجائبِ خلق سے آگاہ کیا اور اس سے فرمایا کہ خدا کا انکار عقل کی توہین ہے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نظامِ خلق میں غور وفکر کیا جائے۔

امام علیہ السلام کی تعلیمات کی بدولت اسے شک سے نجات ملی اور وہ بہت اچھا اور صاحبِ یقین مسلمان بن گیا۔ (۸۸)

ایک خواب اور اس کی تعبیر

ایک شخص روتا ہوا امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے رات بڑا ہولناک خواب دیکھا ہے۔ میرا ایک داماد تھا جس کا نام حسین تھا۔ کچھ عرصہ قبل اس کی وفات ہوئی تھی اور رات میں نے اسے دیکھا۔ میں نے چاہا کہ میں اسے آغوش میں لے لوں لیکن اس نے مجھے اپنی طرف کھینچ کر گلے لگایا۔ اب آپ فرمائیں کیا میں بہت جلد مر جاؤں گا یا نہیں؟

خواب سنا تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا: ویسے تو ہر شخص کو ہی مرنا ہے لیکن تمہارے خواب کی وہ تعبیر نہیں ہے جو تم نے سمجھ لی ہے۔ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے

کہ تمہیں عنقریب امام حسینؑ کی زیارت نصیب ہوگی اور تم امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کو گلے سے لگاؤ گے اور اسے بوسہ دو گے۔

امام علیہ السلام نے جب یہ تعبیر بیان فرمائی تو وہ شخص بہت خوش ہوا اور کہا کہ میری مدت سے یہ خواہش ہے کہ امام حسینؑ کی قبر مطہر کی زیارت کروں۔

اور اس طرح امامِ صادقؑ نے اپنے حکم سے اسے مسرور کیا اور اس کی پریشانی کو دور کیا۔(۸۹)

بدترین دشمن کا موم ہونا

سلسلہ بنی عباس کا دوسرا خلیفہ منصور دوانیقی جب کسی مخالف کو قتل کرنا چاہتا تو وہ اپنے سرخ محل میں سرخ نشست گاہ پر بیٹھتا تھا۔اس کے خادم تلواروں کے ساتھ وہاں ہوتے، مظلوموں کو وہاں لایا جاتا اور ان کے سر منصور دوانیقی کے سامنے قطع کئے جاتے۔

ایک مرتبہ منصور نے فضل بن ربیع کو بلایا اور اس سے کہا تم میرے راز دار ہو اور تم نے ہمیشہ میرے رازوں کی حفاظت کی ہے آج میں تمہارے ذمہ ایک کام لگاتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم یہ کام ضرور کرو گے۔

ربیع نے کہا: میں آپ کا خادم ہوں اور آپ مجھے جو بھی حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔

منصور نے کہا: میں جعفرؑ بن محمدؑ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔تم اس کے گھر جاؤ اور

اسے گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرو۔

فضل بن ربیع دل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے عقیدت رکھتا تھا اس لئے اسے خلیفہ کا حکم بجالانے میں تردد ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ امام علیہ السلام کو خلیفہ کے سامنے لے آیا تو وہ آپ کو شہید کر دے گا اور اس کے ساتھ اس کی دوسری پریشانی یہ تھی کہ اگر اس نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہ کی تو خلیفہ اسے اور اس کے خاندان کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

فضل بن ربیع کے دو بیٹے تھے اس نے دل میں سوچا کہ اس اُفتاد کے لئے اسے اپنے بیٹوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔

اس کا ایک بیٹا دنیا طلب تھا اس نے باپ سے کہا کہ آپ خلیفہ کے حکم کی تعمیل کریں۔ جب باپ نے کچھ پس وپیش کی تو وہ اپنے ساتھ بہت سے سپاہی لے کر امام علیہ السلام کے گھر کی طرف گیا اور سپاہیوں سمیت دیوار پھلانگ کر آپ کے گھر میں داخل ہو گیا۔

اس وقت امام علیہ السلام گھر کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: لوگو! مجھے غسل کر لینے دو پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

سپاہیوں نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کم از کم مجھے دو رکعت نماز ہی پڑھ لینے دو۔ سپاہیوں نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ پھر آپ نے فرمایا: اچھا اتنی مہلت دو کہ میں لباس اتار کر دوسرا لباس پہن لوں۔ لیکن سپاہیوں نے اس کی اجازت بھی نہ دی اور حضرت کو زبردستی مکان سے باہر نکال لائے۔

اس وقت آپ کی عمر ساٹھ برس تھی۔ راستے میں سپاہیوں کو تھوڑی سی حیا آئی

انہوں نے آپ کو گھوڑے پر سوار کیا۔

اس دوران منصور بے چین رہا اور اس نے کئی بار فضل بن ربیع سے کہا کہ ابھی تک جعفرؑ بن محمدؑ کو یہاں پیش کیوں نہیں کیا گیا؟

فضل بن ربیع نے اسے ہر بار یہی جواب دیا کہ میرا بیٹا گیا ہوا ہے اور وہ ابھی تھوڑی دیر میں پہنچنے ہی والا ہے۔

جب امام علیہ السلام قصر خلیفہ کی روش پر پہنچے تو فضل بن ربیع کی آپ پر نظر پڑی تو اس کے آنسو بہنے لگے۔ امام علیہ السلام نے فضل سے کہا: کیا مجھے دو رکعات نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟

فضل بن ربیع نے کہا: میرے سردار جس طرح آپ چاہیں کریں۔ امام علیہ السلام نے وہاں دو رکعات نماز پڑھی اور آپ نے ایک دعا پڑھی جب آپ قصر خلیفہ کی دوسری روش پر پہنچے تو آپ نے وہاں بھی دعا پڑھی۔ پھر منصور کے پاس پہنچے۔

جیسے ہی منصور کی آپ پر نظر پڑی تو اس نے چیخ کر کہا: آپ ہماری حکومت کو چیلنج کر رہے ہیں اور لوگوں کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے خلاف خروج کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اگر مجھے خروج کرنا ہوتا تو میں بنی امیہ کے خلاف خروج کرتا۔

منصور نے بہت سے خطوط آپ کے سامنے رکھے اور کہا: یہ آپ کے وہ خطوط ہیں جو آپ نے لوگوں کو لکھے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب بہتان اور جھوٹ ہے۔ آپؑ کے ان جملوں سے منصور کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ اس نے ایک بالشت کے قریب اپنی تلوار نیام سے نکال لی۔

فضل بن ربیع یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا اور اس نے بڑی بے چارگی سے امام علیہ السلام کو دیکھا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آپ ظالم کے سامنے پورے اطمینان و سکون سے کھڑے ہیں۔

منصور نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے ایک میٹر کے قریب تلوار نیام سے نکالی۔ پھر کچھ سوچ کر اسے نیام میں ڈال دیا۔ آخر میں اس نے اپنی پوری تلوار نیام سے نکالی لیکن چند لمحات بعد اس نے تلوار کو نیام میں کر لیا۔

بعد ازاں وہ اپنی نشست سے اٹھا اور امام علیہ السلام کو گلے لگایا اور آپ کو اپنے ساتھ کرسی پر بٹھایا اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ لوگوں نے آپ کے خلاف تہمت تراشی کی ہے۔

پھر اس نے کہا کہ امام علیہ السلام کی خدمت میں خوشبو پیش کی جائے اور ایک مخصوص گھوڑا حضرت کی نذر کیا اور فضل بن ربیع سے کہا کہ وہ امام علیہ السلام کو دس ہزار درہم پیش کرے اور امام کو عزت و احترام کے ساتھ ان کے گھر پہنچائے۔

فضل بن ربیع آپ کو ساتھ لے کر قصرِ خلافت سے آپ کے گھر کی طرف لے چلا۔ راستے میں اس نے کہا: مولا! مجھے آپ کا اطمینان و سکون دیکھ کر بڑا تعجب ہوا آپ منصور سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوئے۔

امامؑ نے فرمایا: خدا سے ڈرنے والے کو کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فضل نے دس ہزار درہم آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر میں یہ رقم نہیں لیتا تو منصور تمہارے متعلق شک کرے گا اسی لئے میں یہ رقم

لے رہا ہوں لیکن مدینہ میں میرے پاس ایک زمین کا ٹکڑا موجود ہے جس کی قیمت دس ہزار درہم ہے میں وہ قطعہ اراضی تمہیں ہدیہ کرتا ہوں۔

فضل بن ربیع نے عرض کیا۔ مولا! آپ مجھے زمین کی بجائے ان دعاؤں کی تعلیم دیں جو آپ نے منصور کے پاس جاتے ہوئے پڑھی تھیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہلبیت علیہ السلام جب کسی کو کچھ عطا کر دیں تو وہ واپس نہیں لیا کرتے۔ آج سے وہ زمین بھی تمہاری ہے اور میں تمہیں وہ دعائیں بھی تعلیم کر دیتا ہوں۔

فضل بن ربیع امام علیہ السلام کو پہنچانے کے بعد منصور کے پاس آیا اور اس نے منصور سے کہا: آج آپ نے تین بار تلوار کو نیام سے نکالا مگر اس کے باوجود آپ نے جعفرؑ بن محمدؑ کو کچھ نہیں کہا اور ان کا احترام کیا آخر یہ سب کچھ کیا تھا؟

منصور نے کہا: میں تجھے اس کی وجہ بتاتا ہوں لیکن تمہیں اسے راز بنا کر اپنے پاس رکھنا ہے۔ جب میں نے پہلی بار تلوار نیام سے نکالی تو مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھائی دیئے جو خشم گین نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر میں گھبرا گیا اور تلوار نیام میں کر لی۔ پھر میں نے دل میں سوچا ہو سکتا ہے کہ یہ میرا وہم ہو۔ یہ سوچ کر میں نے دوبارہ تلوار کو نیام سے نکالا تو میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ غصہ کی حالت میں ہیں اور میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں شرمندہ ہوا اور تلوار کو نیام میں کر لیا۔ پھر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے کہ یہ میرے وہم وخیال کا کرشمہ ہو۔ یہ سوچ کر میں نے تلوار نکالی تو اس بار میں نے دیکھا کہ رسول خدا میرے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ اگر میں نے کوئی حرکت کی تو آپ مجھے

قتل کر دیں گے۔ یہ تین منظر دیکھے تو مجھے یقین ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جعفرؑ بن محمدؑ سے بڑی محبت ہے اور وہ ان کے قتل پر راضی نہیں ہیں۔ اسی لئے میں نے ان کا احترام کیا اور انہیں عزت واحترام کے ساتھ ان کے گھر بھجوا دیا۔ (۹۰)

مومن کی رضا میں خدا اور رسول کی رضا مضمر ہے

شہرِ ''اہواز'' میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام یقطین تھا۔ اس کے پوتے حسین بن علی نے اپنے دادا کی زبانی حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

مجھے اہواز حکومت کا بہت سا لگان دینا تھا اور میرے معاشی حالات بھی حد درجہ خراب تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں نے حکومت کا لگان ادا کر دیا تو میری ساری پونجی ختم ہو جائے گی اور میں نانِ شبینہ کا محتاج ہو جاؤں گا۔

میں نے حاکم اہواز کے متعلق یہ سن رکھا تھا کہ وہ یحییٰ بن خالد کا کاتب ہے اور وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا محبّ ہے۔ لیکن میں اس خوف سے اس کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا کہ مبادا یہ بات صحیح نہ ہو اور میں کہیں مشکل میں نہ پڑ جاؤں۔

میں اہواز سے سیدھا مکہ مکرمہ گیا اور ادائیگی عمرہ کے بعد میں مدینہ منورہ گیا جہاں روضہ رسول کی زیارت کی اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔

میں نے اپنے آقا و مولا سے کہا: مولا! میں نے سنا ہے کہ حاکم اہواز آپ کا

دوست ہے میں نے ابھی تک اس سے اس لئے ملاقات نہیں کی مبادا وہ آپ کا مخالف ہی نہ ہو اور میری زندگی کے لئے خطرات بڑھ نہ جائیں۔ اب آپ ہی اس کے متعلق میری رہنمائی فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خوف نہ کھاؤ، تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

پھر آپ نے حاکم اہواز کے نام ایک خط تحریر کیا جس کی عبارت یہ تھی:

اللہ نے آسمان کے نیچے بہت سے رحمت کے بادل پیدا کئے ہیں اور ان بادلوں کا سایہ اسے نصیب ہوگا جو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے گا اور اس کے لئے راحت کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ اور جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو ایک کھجور کے دانے کے برابر بھی فائدہ پہنچایا ہوگا تو وہ خدا کی رحمت کا حقدار قرار پائے گا۔ حامل خط کو اپنا بھائی تصور کرو۔

پھر آپ نے خط کو لفافہ میں بند کیا اور اس پر اپنی مہر ثبت کی اور مجھے فرمایا کہ تم میرا یہ خط لے کر اہواز چلے جاؤ۔

میں نے حضرت کا خط لیا اور اہواز کی طرف چل پڑا اور اہواز پہنچ کر سیدھا حاکم کے دروازے پر پہنچا۔

دربان نے مجھ سے پوچھا: تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟

میں نے اس سے کہا: حاکم سے جا کر کہو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک قاصد آپ کے دروازہ پر کھڑا ہے اور اس کے پاس امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک خط ہے۔

دربان کو گئے ابھی چند لمحات ہی گزرے تھے کہ میں نے دیکھا کہ حاکم اہواز ننگے پاؤں دوڑتا ہوا میری جانب آ رہا ہے۔ اس نے آتے ہی مجھ پر سلام کیا اور میری

پیشانی کا بوسہ لے کر کہا کہ کیا میرے آقا و مولا نے تمہیں اپنا قاصد بنا کر بھیجا ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں، اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے دارالامارہ میں لے گیا میں نے اسے امامؑ کا خط پیش کیا۔ اس نے خط پڑھا اور اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا: اب آپ حکم کریں۔ میں آپ کی کیا خدمت کروں؟

میں نے کہا: آپ کے لگان کے رجسٹر میں مجھ پر لگان کی بھاری رقم لکھی ہوئی ہے اور میں وہ رقم ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں اگر میں نے آپ کی ساری رقم ادا کی تو میری زندگی کی تمام جمع پونجی ختم ہو جائیگی اور میں ٹکڑے ٹکڑے کا محتاج ہو جاؤں گا۔

حاکم نے حکم دیا کہ لگان کا رجسٹر لایا جائے۔ جب رجسٹر لایا گیا تو اس نے اس میں رقم جمع کر دی اور مجھے رقم کی وصولی کی رسید دے دی۔

پھر اس نے کہا کہ جس صندوق میں میری ذاتی رقم پڑی ہے وہ صندوق لایا جائے۔ جب وہ صندوق لایا گیا تو اس نے اس میں سے آدھی رقم اپنے پاس رکھی اور آدھی رقم میرے سپرد کر دی۔ پھر اس نے گھوڑے منگوائے۔ ان میں سے آدھے گھوڑے اپنے پاس رکھے اور آدھے میرے حوالے کیے۔ پھر اس نے اپنے کپڑے طلب کیے۔ آدھے اپنے پاس رکھے اور آدھے کپڑے میرے سپرد کیے اور یوں اس نے اپنی آدھی جائیداد میرے حوالے کی اور ہر بار مجھ سے پوچھتا رہا: بھائی! کیا آپ مجھ سے راضی ہیں نا؟

میں ہر بار اسے جواب میں کہتا: جی ہاں، خدا کی قسم، میں تم سے راضی اور خوش ہوں۔

میں نے اسے الوداع کہا اور اس کے پاس سے چلا آیا۔ ایام حج شروع ہوئے تو میں نے دل میں کہا کہ حاکمِ اہواز نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اس کے عوض مجھے حج پر جانا چاہیے اور وہاں جا کر حاکم کے لئے دعا مانگنی چاہیے۔ چنانچہ میں مکہ گیا، مناسک حج ادا کیے اور حاکم کے لئے دعائیں مانگیں۔ بعد ازاں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ گیا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار طاری ہوئے اور آپ نے مجھ سے دریافت کیا: اے یقطین کیا تم اس شخص سے راضی ہو؟

میں نے جو کچھ میرے ساتھ گزرا تھا سنایا تو امامؑ بہت خوش ہوئے۔ میں نے آپ سے عرض کیا: مولا! کیا اس کے حسن سلوک سے آپ کو بھی خوشی ہوئی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اس نے مجھے خوش کیا ہے۔ اس نے میرے آبائے طاہرین کو خوش کیا ہے۔ خدا کی قسم اس نے امیر المومنین علیہ السلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو خوش کیا ہے۔ (۹۱)

ایک لطیف استنباط

ایک شخص دردِ معدہ کا مریض تھا اور اس نے اپنے مرض کا بڑا علاج کرایا۔ لیکن اسے کہیں سے بھی شفا نہ ملی۔ جب وہ تمام حکیموں سے مایوس ہو گیا تو وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور آپ سے مدد کی درخواست کی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنی بیوی سے اس کے حق مہر کی تھوڑی سی رقم طلب

کرو۔ پھراس کی دی ہوئی رقم سے تھوڑا سا شہد خریدو اور شہد میں بارش کا پانی ملا کر اسے استعمال کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہیں تندرستی نصیب ہوگی۔

اس شخص نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا اور تندرست ہو گیا تو بہت حیران ہوا۔ پھر وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کے بتائے ہوئے نسخہ میں ایسی کون سی بات تھی جس کی وجہ سے مجھے شفا ملی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قران حکیم میں فرمایا ہے۔

"اتوا النساء صدقاتهن نحلة ۔ فان طبن لكم عن شيئ منه نفساً فكلوه هنيئاً مريئاً" (سورة النسا آیت۴)۔ ترجمہ: عورتوں کو ان کا حق مہر خوش دلی سے ادا کرو اگر وہ اس میں سے تمہیں اپنی خوشی سے دے دیں تو اسے خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے شہد کے متعلق فرمایا ہے "فيه شفاء للناس" (سورۃ النحل آیت ٦٩)۔ اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔

اور بارش کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ونزلنا من السماء مآء مباركا" (سورۂ ق۔ آیت ۹)۔ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا۔

جب تم نے خوشگوار مال سے شفا خریدی اور برکت والے پانی میں اسے ملایا تو وہ نسخہ شفا کا ذریعہ ثابت ہوا۔ (۹۲)

قسم کا عجیب انداز

محمد بن عبداللہ اسکندری امام جعفر صادق علیہ السلام سے حسد رکھتا تھا وہ حسد کے ہاتھوں مجبور ہو کر منصور دوانیقی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں جعفر صادق علیہ السلام کا راز دان ہوں وہ آپ کے خلاف انقلاب بر پا کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے ''معلّٰی بن خُنیس'' کو رقم کی جمع آوری اور ہتھیار اکھٹے کر لینے کا حکم دیا ہے۔ وہ آپ کے خلاف شورش منظم کرنا چاہتے ہیں۔

منصور نے اپنے چچا داؤد بن علی والی مدینہ کو خط لکھا کہ جیسے ہی تمہیں میرا یہ خط ملے تو فوراً جعفرؑ بن محمدؑ کو گرفتار کر کے میرے پاس مدینہ روانہ کرو۔

والی مدینہ نے آپ کو گرفتار کر کے بغداد روانہ کیا۔ جب آپ کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے چیخ کر کہا: آپ میرے خلاف انقلاب کیوں بر پا کرنا چاہتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے متعلق تمہیں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب جھوٹ پر مبنی ہے۔

منصور نے کہا: کیا آپ قسم کھا سکتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں؟

آپ نے فرمایا: جی ہاں۔

منصور نے کہا: پھر آپ طلاق اور غلاموں کی آزادی کی قسم کھائیں۔

آپ نے فرمایا: میں شرعی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں لیکن اس طرح کی خود ساختہ قسم نہیں کھا سکتا۔

منصور نے ناراض ہو کر کہا: کیا آپ میرے سامنے اپنی علمیت کا دعویٰ کرنا

چاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اس میں بھلا کیا قباحت ہے؟ ہم علم کا معدن اور اہل قران ہیں۔ اللہ نے ہمارے گھر میں قران اتارا ہے اور حقیقت علم ہمارے پاس ہے۔

منصور نے کہا: تو کیا میں اس شخص کو تمہارے سامنے پیش کروں جو تمہاری ان تمام حرکات سے واقف ہے؟

پھر اس نے محمد بن عبداللہ اسکندری کو دربار میں طلب کیا۔ اس نے امامؑ کے سامنے جھوٹ بولا کہ واقعی یہ خلیفہ کے خلاف خروج کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔

امام علیہ السلام نے اس فرمایا: کیا تو قسم کھا کر یہ گواہی دے سکتا ہے کہ میں ہتھیار جمع کر رہا ہوں اور خلیفہ کے خلاف خروج کرنا چاہتا ہوں؟

اس نے کہا: جی ہاں، میں خدائے واحد، احد، حی العلیم ۔۔۔۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں اس طرح کی قسم مت کھاؤ۔

منصور نے کہا: وہ کیوں۔

امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے جب کوئی بندہ اس کے اسمائے جلالت کے ساتھ اس کی قسم کھاتا ہے تو وقتی طور پر اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اس طرح کی قسم سے حق واضح نہیں ہوتا اس کی بجائے تم ان الفاظ سے قسم کھاؤ۔

خَرَجْتُ مِنْ حَوْلِ وَقُوَّةِ اللّٰهِ وَ تَوَكَّلْتُ عَلٰى حَوْلِىْ وَقُوَّتِىْ اَنْ كُنْتُ كَاذِباً....

''میں اللہ کی قوت وقدرت کے حصار سے نکل کر اور اپنی قوت وقدرت پر انحصار کرتے ہوئے کہتا ہوں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کا عذاب آجائے''۔

جیسے ہی اس نے امام علیہ السلام کے بیان کردہ الفاظ سے قسم کھائی تو وہ بے ہوش ہوکر زمین پر گرااور فوراً مر گیا۔

یہ منظر دیکھ کر منصور گھبرا گیااور امام سے معذرت طلب کی۔(۹۳)

سادات کا سربراہ

ایک مرتبہ منصور نے اپنے سینئر وزیر کو بلایا اور اس سے کہا: ''اب تک میں ایک سو سادات کو قتل کر چکا ہوں لیکن ابھی تک ان کا سربراہ جعفرؑ بن محمدؑ زندہ ہے۔اس کے قتل کے بغیر مجھے چین نہیں آئے گا۔تم یہاں سے ایک ہزار سپاہی لے کر مدینہ جاؤ اور جعفر صادقؑ اور اس کے بیٹے اسماعیلؓ کے سر قلم کر کے میرے پاس لے آؤ۔

وزیر نے ایک ہزار فوجی ساتھ لیے۔وہ رات کے وقت مدینہ پہنچا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر میں داخل ہو گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہیں پھیر دیں۔صحن میں بیٹھی ہوئی دو اونٹنیاں اسے امام صادقؑ اور اسماعیلؓ کے رُوپ میں دکھائی دیں۔

اس نے دونوں کے سر قلم کیے،انہیں تھیلے میں ڈالا اور بڑی تیزی سے سفر کر کے بغداد پہنچا۔

وزیر اور اس کے ساتھ فوجیوں کو یقین تھا کہ منصور جیسے ہی وہ سر دیکھے گا تو انہیں انعام و کرام سے نوازے گا۔

جب منصور نے تھیلا کھول کر دیکھا تو اس تھیلے میں دو اونٹنیوں کے سر نظر آئے۔اس نے چیخ کر کہا: تم میرے پاس اونٹنیوں کے سر کیوں لائے ہو؟

وزیراوراس کے ساتھی فوجیوں نے کہا: ہم پر معاملہ مشتبہ ہوگیا تھا۔

منصور کو امام کی روحانی قوت کا پورا علم تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ اعجاز امامت کے تصرف کی وجہ سے ہوا ہے۔ پھر اس نے کہا اچھا یہ بات مخفی رہنی چاہیے لوگوں کو معلوم نہیں ہونی چاہیے۔ (۹۴)

خدا نے مکھی کیوں بنائی؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دوانیقی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مکھی نے منصور کو تنگ کر رکھا تھا۔ منصور اسے اڑاتا تو وہ دوبارہ آ کر اس کے مُنہ پر بیٹھ جاتی۔ وہ پھر اڑاتا تو وہ پھر آ کر بیٹھ جاتی۔ الغرض مکھی نے منصور کو زچ کر دیا۔ تنگ آ کر منصور نے کہا: یا ابی عبداللہ! بھلا مکھیوں کا کیا فائدہ ہے؟ نجانے خدا نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فوراً جواب دیا: اللہ نے سرکشوں کو رُسوا کرنے کے لئے مکھیاں پیدا کی ہیں۔

امام علیہ السلام کا جواب سن کر منصور سخت حیران ہوا اور کچھ نہ کر سکا لیکن سوچنے لگا کہ کسی مناسب موقع پر امامؑ کو قتل کر دے گا۔ (۹۵)

عمل اِمّ داوٗد

بنی عباس کا دوسرا خلیفہ منصور دوانیقی سفاک اور بے رحم شخص تھا اور شیعوں کو اپنی حکومت کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں بہت سے علویوں اور شیعوں کو گرفتار کیا اور انہیں ناحق قتل کیا۔ اسی کے حکم سے سید داوٗد کر گرفتار کر کے بغداد روانہ کیا گیا۔

جب داوٗد گرفتار ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان سے مدد کی درخواست کی۔

آپ نے فرمایا: چند دن صبر کرو ماہِ رجب شروع ہونے والا ہے۔ ماہ رجب کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو روزہ رکھو اور بیت اللہ چلی جاوٗ۔ وہاں جا کر اپنے فرزند کی رہائی کی دعا کرو۔ آپ نے انہیں کچھ اور دعائیں بھی تعلیم فرمائیں جو کہ کتب ادعیہ میں مذکور ہیں۔

جب امّ داوٗد نے حضرت کا بتایا ہوا عمل کیا تو انہیں خواب میں حضرت رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بشارت دی کہ تمہارا فرزند عنقریب زندان سے رہا ہو جائے گا۔

جس رات ام داوٗد نے خواب دیکھا تھا عین اسی رات منصور نے خواب میں امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا۔ آپؑ نے منصور سے فرمایا: اسی وقت اٹھو اور داوٗد کو زندان سے رہا کرو اور اسے اس کی والدہ کے پاس بھیجو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

منصور گھبرا کر اٹھا اور داؤد کو رہا کیا اور انہیں تیز رفتار سواری دے کر تاکید کی کہ فوراً اپنی والدہ کے پاس چلے جائیں۔(۹۶)

ایک زندیق کی رسوائی

ابن ابی العوجاء ایک مشہور زندیق تھا۔ ایک مرتبہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ خالق ہے۔ اگر اللہ خالق ہے تو میں بھی خالق ہوں۔

اس نے ایک برتن میں مٹی، کیچڑ اور کچھ لید وغیرہ ڈالی۔ چند دن بعد اس میں کیڑے پیدا ہو گئے۔ اس نے وہ برتن اٹھا کر لوگوں کو دکھایا اور کہا: دیکھو ان حشرات کا خالق میں ہوں۔ اللہ تو نو ماہ تک رحم مادر میں رکھ کر پیدا کرتا ہے اور میں چند دنوں میں مخلوقات پیدا کر لیتا ہوں۔

بہت سے سادہ لوح افراد اس کے جال میں پھنسنے لگے اور خدا کی شانِ خلاّقی میں شک کرنے لگے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کو اس کے فریب کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں سے کہا: اس سے کہو کہ ہم تم سے دو سوال کرتے ہیں اگر تم نے ان کے جواب دے دیئے تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے۔ اس سے پہلے تو یہ پوچھو کہ تم نے جو حیوانات پیدا کیے ہیں ان کی تعداد کیا ہے پھر پوچھو کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے اور اس سے کہو کہ اگر تم ان کے خالق ہو تو ان پر لازم ہے کہ تمہاری اطاعت کریں پس انہیں حکم دو کہ جس

طرف چل رہے ہیں اس سے اپنا رخ پھیر لیں اور تمہارے حکم پر چلیں۔

جب یہ باتیں اس جھوٹے آدمی تک پہنچائی گئیں تو اس نے کہا: تمہیں میری مخلوقات کی تعداد اور جنس سے کیا لینا ہے؟ لوگوں نے کہا: کیسی عجیب بات ہے کہ خالق اپنی مخلوق کی تعداد اور جنس سے واقف نہیں ہے!

پھر اس سے کہا: اپنی مخلوقات سے کہو کہ جس طرف جا رہی ہیں اس کی مخالف سمت میں چلیں۔

جھوٹا بری طرح سے پھنس گیا اور اس نے کہا: ان کا چلنا پھرنا میری طاقت سے باہر ہے میں نے صرف انہیں پیدا کیا ہے وہ میری بات نہیں سمجھتی ہیں۔

لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ ایک جھوٹا آدمی ہے اور اس سے دور ہو گئے۔

اس طرح امام علیہ السلام نے اپنے استدلال سے لوگوں کو گمراہی سے بچالیا۔ (۹۷)

امام موسیٰ کاظمؑ اور شقیق بلخی

شقیق بلخی اپنے زمانہ کے مشہور و عابد و زاہد انسان تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ کو حج کے لئے روانہ ہوا۔ میں کوفہ سے چلا اور قادسیہ گیا جہاں حجاج کا قافلہ تیار ہو رہا تھا۔ میں حجاج کی کثرت اور ان کے رنگ برنگے لباس دیکھنے میں محو تھا کہ میری نظر ایک جوان پر پڑی جس کا چہرہ نورانی تھا اس نے اپنے لباس پر اون کی ایک چادر پہنی ہوئی تھی اور وہ لوگوں سے کچھ فاصلہ پر چل رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی صوفی ہے اور یہ راستے میں لوگوں پر بوجھ بنا رہے گا۔ بہتر یہ

ہے کہ میں اس کے پاس جاؤں اوراسے جا کر نصیحت کروں۔

میں اس نیت کے تحت چل پڑا جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے میرا نام لے کرفرمایا:" یاشقیق. ان اللہ یقول : یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم"(الحجرات. ۱۲).

شقیق! اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے: اے ایمان والو! زیادہ گمانوں سے پرہیز کرو۔بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے اس نے مجھے دیکھے بغیر میرا نام لیا اوراس نے وہ آیت پڑھی جس کا تعلق میری حالت سے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کا مقرب بندہ ہے میں اس کے پاس جا کر اس سے معافی طلب کروں گا۔

میں نے بڑی کوشش کی کہ اس سے جاملوں۔ لیکن وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا یہاں تک کہ ہم ایک قریبی شہر جا پہنچے۔

وہ جوان مجھے وہاں دکھائی دیا وہ نماز پڑھ رہا تھا لیکن اس کی نماز کی شان جداگانہ تھی۔ وہ بڑی خشوع وخضوع سے محو نماز تھا اور وہ دنیا و مافیھا سے بے نیاز ہو کر عالم بالا سے متصل تھا۔

میں نے اس کی نماز ختم ہونے کا انتظار کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں اس کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں اس کے پاس پہنچا نہیں تھا کہ اس نے مجھے آواز دے کر قران کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحاثم اھتدی" (طہ. ۸۲).

جو بھی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر راہ ہدایت پر چلے تو میں اس کے لئے بہت زیادہ بخشنے والا ہوں۔

اس بار بھی جوان نے میرے مافی الضمیر کی صحیح ترجمانی کی تھی جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ یہ خدا کے مقربین خاص میں سے ہے اور یہ اس مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں انسان لوگوں کے دلوں کے رازوں کو جاننے لگتا ہے۔

اس کے بعد میں نے اس جوان کو ''منیٰ'' میں دیکھا وہ ایک کنوئیں سے پانی بھر رہا تھا اس کے ہاتھ میں رسی تھی۔ اچانک رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ڈول رسی سمیت کنوئیں میں جا گرا۔ اس وقت جوان نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا: اے اللہ! تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی ہے جو مجھے پانی پلاتا ہے اور کھانا کھلاتا ہے اور وہ تمام چیزیں جن کی میں تجھ سے تمنا کرتا ہوں۔ پھر میں نے عجیب منظر دیکھا کنوئیں کے پانی میں تلاطم پیدا ہوا اور پانی اتنا اوپر آگیا کہ جوان نے پانی سے اپنا ڈول نکال لیا۔ پھر اس پانی سے اس نے وضو کیا اور چار رکعت نماز ادا کی۔

میں اس کی نماز کو بڑی توجہ سے دیکھتا رہا۔ نماز کے دوران اس کے بدن کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو میں اس کے پاس گیا اور اس پر سلام کیا اس نے بڑی گرم جوشی سے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے جوان سے کہا کہ آپ اس ڈول کا بچا ہوا پانی مجھے پلائیں۔

جوان نے کہا: اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمات ہمارے دستِ تصرف میں رکھی ہیں اور یہ سب کچھ عبادت اور نیک اعمال کا صلہ ہے اگر تو نے بھی اپنے دل میں

ہماری مودت کو جگہ دی تو عنقریب تو بھی خدا کی خاص نعمات سے استفادہ کرے گا۔

پھر اس نے مجھے ایک گھونٹ پانی عطا کیا میں نے پیا تو یوں لگا جیسے میں نے خالص شہد پیا ہو اور میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس سے بہتر مشروب کبھی نہیں پیا تھا۔

اس کے بعد جوان نے مجھے ناشتہ کی دعوت دی جسے میں نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔ میں نے اس جوان کے ساتھ مل کر سادہ غذا کھائی لیکن اس میں اتنی لذت تھی کہ میں نے آج تک اس سے زیادہ لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا تھا۔

اس کے بعد وہ جوان میری نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم مکہ پہنچ گئے۔ ایک رات جب کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ستارے دکھائی نہیں دیتے تھے میں نے اس جوان کو نصف شب کے وقت چاہ زمزم کے قریب دیکھا وہ خشوع وخضوع سے نماز پڑھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بادلوں کی طرح برس رہی تھیں۔

وہ اتنا رویا کہ اس کا چہرہ اور اس کا لباس آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ طلوع فجر تک وہ نماز میں مصروف رہا۔ صبح ہوئی موذن نے اذان فجر دی تو اس نے نماز فجر ادا کی پھر خدا کی تسبیح کی پھر اس نے زمین پر سجدہ کیا اور کافی دیر تک سجدہ میں رہا۔ پھر اس نے سجدہ سے سر اٹھایا اور بیت اللہ کا طواف کیا اور کعبہ سے نکل آیا۔

میں اس کے پیچھے چل پڑا میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے پیچھے چل رہے ہیں اور اس کا بے حد احترام کر رہے ہیں اور لوگ اس کے گرد اس طرح جمع ہیں جیسے پروانے شمع کے گرد چکر لگاتے ہیں۔

میں نے اس کے گرد جمع ہونے والوں سے پوچھا یہ بزرگوار کون ہیں؟

لوگوں نے مجھے بتایا: یہ شیعوں کے ساتویں امام موسیٰؑ بن جعفرؑ ہیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا اس طرح کے معجزات اہل بیت عصمت وطہارت کے ہاتھوں سے ہی انجام پا سکتے ہیں۔ (۹۸)

مومن کی گفتگو کی اچھی توجیہ کرنی چاہیے

ایک شیعہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: مولا! مجھے فلاں بن فلاں کے متعلق یہ خوف ہے کہ وہ آپ کے عقیدۂ امامت سے منحرف ہو گیا ہے''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بھلا وہ کیسے؟

اس نے عرض کیا: میں بغداد کے ایک معزز فرد کے گھر میں ایک دعوت کے سلسلہ میں گیا۔ اس دعوت میں ہارون الرشید بھی موجود تھا اور آپ کا فلاں شیعہ بھی موجود تھا۔ صاحب خانہ نے آپ کے اس شیعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تیرے متعلق سنا ہے کہ تو موسیٰؑ بن جعفرؑ کو امام مانتا ہے اور تیرا یہ نظریہ ہے کہ ہارون الرشید امام نہیں ہے؟

اس وقت آپ کے شیعہ نے کہا: نہیں، میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ میں یہ کہتا

ہوں کہ موسیٰ بن جعفر غیر امام ہیں اور اگر میرا یہ عقیدہ نہ ہو تو مجھ پر اللہ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو"۔

آپ کے شیعہ کا یہ جواب سن کر صاحب خانہ بہت خوش ہوا اور اس کے حق میں دعا کی اور ان لوگوں پر لعنت کی جو اسے شیعہ کہتے تھے۔

یہ روداد سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ تم نے سمجھا ہے ایسی بات نہیں ہے۔ جس کے متعلق تم بات کر رہے ہو وہ تم سے دین کی زیادہ سمجھ رکھتا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ موسیٰ ابن جعفر غیر امام ہے یعنی یہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور شریعت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ان الفاظ سے ہماری ولایت سے خارج نہیں ہوا تم نے اپنے شیعہ بھائی کے متعلق جو بدگمانی کی ہے اس سے توبہ کرو۔

شکایت کرنے والا محزون ہوا اور اس مومن نے کہا: مولا! میرے پاس دولت تو نہیں ہے کہ اسے دے کر اپنے سے راضی کروں البتہ میں نے آپ کے خاندان پر جو درود پڑھی ہے اس کا ثواب اس کی نذر کرتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اب تو نارِ جہنم سے نجات پا گیا۔(۹۹)

واقعی یہ آزاد ہے غلام نہیں ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بغداد کی کسی گلی سے گزر رہے تھے۔ ایک گھر سے آپ کو موسیقی اور گانے بجانے کی آوازیں سنائی دیں۔

مکان کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی اہم شخص کا مکان ہے۔امام علیہ السلام اس مکان کے دروازے پر چند لمحات کے لئے رکے۔اتنے میں گھر کا دروازہ کھلا اور نوکر کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے باہر آیا۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: یہ کس کا مکان ہے؟

نوکر نے کہا: اس کے مالک کا نام ''بُشر'' ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس وہ غلام ہے یا آزاد ہے؟

نوکر نے کہا: وہ آزاد ہے۔

یہ سن کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ''واقعی یہ آزاد ہے اگر وہ کسی کا غلام ہوتا تو اس کے طور اطوار یہ نہ ہوتے۔

نوکر گھر میں گیا تو مالک نے نوکر سے پوچھا: تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟

نوکر نے کہا: میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے گفتگو میں مصروف تھا۔

بشر نے کہا: سید نے کیا کہا؟

نوکر نے کہا کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس مکان کا مالک غلام ہے یا آزاد ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ وہ آزاد ہے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: واقعی وہ آزاد ہے اگر وہ خدا کا غلام ہوتا تو ایسی بیہودہ باتیں نہ سنتا۔

بشر نے جیسے ہی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے یہ الفاظ سنے تو اس کی کایا ہی پلٹ گئی اور وہ ننگے پاؤں گھر سے امام علیہ السلام کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا آپ کے قدموں پر گرا اور توبہ کی اور اپنے زمانے کا ایک صالح شخص بنا۔

❁ توبہ کے وقت وہ ننگے پاؤں تھا۔ پھر اس نے ساری زندگی جوتا نہ پہنا،

ننگے پاؤں پھرتا رہا۔ ننگے پاؤں شخص کو عربی زبان میں ''حافی'' کہتے ہیں۔ بزمِ صالحین میں وہ ''بشر حافی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اضافہ از مترجم﴾

اعترافِ حقیقت

عباسی خلیفہ مامون الرشید سے کسی نے سر دربار یہ سوال کیا کہ آپ امام علی رضا علیہ السلام کے محبّ کیسے بن گئے (جب کہ آپ کے والد تو امام علی رضا علیہ السلام کے سخت دشمن تھے؟)

مامون الرشید نے کہا: میں نے درسِ تشیع اپنے والد سے ہی لیا تھا ایک مرتبہ میرے والد مدینہ منورہ گئے۔ میں بھی اپنے والد کے ساتھ تھا۔ اہل مدینہ باری باری آکر ان سے ملاقات کرتے رہے۔ میرے والد ان سب کا ان کے مرتبہ کے مطابق احترام کرتے رہے۔ ایک دن ایک کمزور اور دبلے پتلے شخص میرے والد سے ملنے آئے میرے والد نے ان کا بے حد احترام کیا اور انہیں اپنے پہلو میں جگہ دی اور پورے ادب واحترام سے ان سے گفتگو کرتے رہے۔

شام کے وقت جب خلوت میسر ہوئی تو میں نے والد سے پوچھا کہ یہ بزرگوار کون تھے جن کا آپ نے اتنا احترام کیا ہے؟

میرے والد نے کہا: یہ موسیٰ بن جعفرؑ تھے۔

میں نے کہا کہ موسیٰ بن جعفرؑ کون ہے؟

میرے والد نے کہا: یہ وہ ہیں جو تیرے بھی امام ہیں اور میرے بھی امام ہیں۔

میں نے کہا: تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حق پر نہیں ہیں۔

میرے والد نے کہا: دراصل خلافت ان کا اور ان کی معصوم اولاد کا حق ہے۔

میں نے کہا: اگر یہ حقیقت ہے تو آپ ان کے لئے خلافت سے دست بردار کیوں نہیں ہو جاتے؟

میرے والد نے کہا: حکومت و سلطنت کی کسی سے رشتہ داری نہیں ہوتی تو اگر چہ میرا بیٹا ہے اگر تو نے بھی حکومت کے معاملہ میں کبھی میری مخالفت کی تو میں تجھے بھی معاف نہیں کروں گا۔ یاد رکھو حکومت و سلطنت کی چاہت ہر رشتہ سے بلند و برتر ہے۔(۱۰۰)

امام علی رضا علیہ السلام کی اعلیٰ ظرفی

امام علی رضا علیہ السلام نے مجبور ہو کر مامون کی ولی عہدی کا منصب قبول کیا تھا۔ آپ مامون کی دعوت پر خراسان (۱۰۱) تشریف لے گئے تھے۔ قیامِ خراسان کے دوران ایک دن آپ حمام میں نہانے کے لئے گئے۔

حمام کے اندر آپ کا ایک ناشناسا شخص نہانے آیا ہوا تھا۔ اس نے آپ کو حمام کا ملازم خیال کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میری مالش کرو گے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ یہ کہہ کر آپؑ نے اس کی مالش شروع کر دی۔ اس اثنا میں حمام کا مالک امام علی رضا علیہ السلام کی ضروریات معلوم کرنے کے لئے اندر آیا تو اس نے دیکھا کہ امام علی رضا علیہ السلام ایک شخص کی مالش کر رہے ہیں۔ حمام کے مالک نے چیخ

کر اس شخص کو متوجہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے اسے اشارہ سے خاموش رہنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد آپ نے حمام کے مالک سے فرمایا: جو خدا کی مخلوق کے لئے تواضع نہیں کر سکتا وہ خالق کائنات کے سامنے بھی تواضع نہیں کر سکتا۔ (۱۰۲)

قصیدہِ دِعبل

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے زمانے میں بہت سے قادر الکلام شعراء نے ان کی مدح کی اور حریمِ اہل بیت کا دفاع کیا حالانکہ اموی و عباسی حکام کے دور سلطنت میں آل محمدؐ کی مدح سرائی سے بڑھ کر اور کوئی خطرناک چیز نہیں تھی۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام بھی اپنے شعراء کا احترام کرتے تھے اور ان سے شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

امام سجاد علیہ السلام کو ''فرزدق'' سے محبت تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کو ''کمیت'' اور ''سید حمیری'' سے اور امام علی رضا علیہ السلام کو ''دِعبل'' سے بڑی محبت تھی۔

جب امام علی رضا علیہ السلام خراسان میں تھے تو ''دعبل خزاعی'' نے اپنا مشہور زمانہ قصیدہ ''مدارس آیات خلت من تلاوۃ'' لکھا جو مدح اہل بیتؑ اور ان مصائب کے بارے میں تھا جو ان حضرات نے اللہ کی راہ میں برداشت کئے۔ اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس قصیدہ کو سب سے پہلے امام علیہ السلام کے حضور پڑھنے کا شرف حاصل کرے گا۔ الغرض دعبل گھر سے روانہ ہوا اور امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں

حاضر ہوا اور اس نے اپنا مشہور زمانہ قصیدہ آپ کے دربار میں پڑھا۔ اس قصیدہ میں دعبل نے آل محمدؐ کے مزارات کا تذکرہ کیا جب اس کی نظم امام موسیٰ کاظم کے مرقد مطہر کے ذکر پر ختم ہونے لگی تو امام علیہ السلام نے اپنی طرف سے اس میں دو ابیات کا اضافہ کیا اور ان ابیات میں اپنی غریب الوطنی کا تذکرہ کیا اور اپنی قبر کی تنہائی کی طرف اشارہ کیا۔ اضافہ از مترجم﴾

دعبل نے اپنے قصیدہ میں یہ تذکرہ بھی کیا کہ خاندان اہلبیت سے ایک امام کا ظہور ہونے والا ہے جو ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دعبل! تمہاری زبان سے روح القدس باتیں کرتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ امام کون ہوگا؟

دعبل نے عرض کیا: مولا! مجھے معلوم نہیں ہے البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ آپ کی نسل سے ہوگا اور ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: دعبل! سنو، میرے بعد میرا بیٹا محمدؑ امام ہوگا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علیؑ امام ہوگا اور پھر اس کا فرزند حسنؑ امام ہوگا اور حسنؑ کا فرزند حجت قائمؑ ہوگا جو لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جائے گا۔ جب خدا کا حکم ہوگا تو وہ ظہور کرے گا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ اس کے ظہور کا وقت قیامت کی طرح سے نامعلوم ہوگا۔

جب دعبل کا قصیدہ تمام ہوا تو امام علیہ السلام نے اسے ایک سو طلائی دینار دیئے اور یہ دینار وہ تھے جو امام کے نام پر ڈھالے گئے تھے۔

دعبل نے عرض کیا: مولا! مجھے دنیاوی مال و دولت کا کوئی لالچ نہیں ہے اور نہ میں نے یہ قصیدہ مالِ دنیا کے لالچ میں لکھا ہے لیکن آپ مجھے اپنے کپڑوں میں سے ایک چادر عنایت فرمائیں تاکہ وہ میرے کفن میں کام آسکے۔

امام علیہ السلام نے اسے ایک چادر بھی عطا کی اور رقم کے متعلق فرمایا: تم یہ رقم اپنے پاس رکھو تمہیں عنقریب اس کی ضرورت محسوس ہوگی۔ دعبل نے مولا سے چادر اور رضوی دینار لیے اور خراسان سے عراق کی طرف سفر کرنا شروع کیا۔ جب وہ قم میں آیا اور لوگوں نے اس سے امامؑ کی ملاقات کا حال سُنا تو زبردستی اس سے چادر چھین لی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیا اور صرف ایک ٹکڑا اس کو دیدیا۔

جب دعبل عراق پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی عدم موجودگی میں چوروں نے اس کے گھر کا صفایا کر دیا تھا اور گھر میں پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ علاوہ ازیں اس کی بیوی کی دائیں آنکھ میں تکلیف شروع ہوئی اور اس کی بینائی ختم ہوگئی اس کے ساتھ ہی اس کی بائیں آنکھ میں بھی یہی بیماری پیدا ہو رہی ہے۔

دعبل نے امام علیہ السلام کی چادر کا بچا ہوا ٹکڑا بیوی کی آنکھوں سے لگایا تو خدا نے اسے مکمل صحت یاب کر دیا۔ دعبل کے پاس امام علیہ السلام کے عطا کردہ ایک سو دینار رضوی موجود تھے۔ دعبل نے وہ دینار شیعانِ عراق کے ہاتھوں دس ہزار درہموں کے عوض فروخت کیے اور اس سے گھر کا تمام ساز و سامان خریدا۔ (۱۰۳)

پارسا چور

امام علی رضا علیہ السلام نے بعض مصلحتوں کی بنا پر ولی عہدی کے منصب کو قبول کیا تھا۔ ایک دن امام علی رضا علیہ السلام مامون کے دربار میں تشریف فرما تھے کہ دربان نے اطلاع دی کہ ایک جوان نے چوری کی ہے اور وہ اس وقت ہماری تحویل میں ہے۔

مامون نے حکم دیا کہ اسے دربار میں پیش کیا جائے۔ چند لمحات بعد پولیس کے سپاہی اُس جوان کو دربار میں لائے جو اپنے چہرے مہرے سے ایک پرہیز گار انسان دکھائی دیتا تھا اس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان تھا۔

مامون نے اسے دیکھ کر کہا: تم پر ہلاکت ہو۔ تم وضع قطع سے تو ایک شریف انسان دکھائی دیتے ہو لیکن تمہارا کردار یہ ہے کہ چوری کرتے ہو۔ تمہیں کم از کم اپنی شکل وصورت کا تو بھرم رکھنا چاہیے تھا۔

جوان نے کہا: میں نے مجبور ہو کر چوری کی ہے۔ چوری کرنا نہ تو میری عادت ہے اور نہ ہی میری خواہش ہے۔ مجھے یہ کام اس لئے کرنا پڑا کہ تو نے مجھ سے خمس روک لیا ہے۔

مامون نے کہا: خمس میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے۔

جوان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مصارف خمس بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: **واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل......(الانفال. آیت ۴۱.)**

ترجمہ: جان لو تمہیں جو بھی غنیمت حاصل ہو اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور

رسول کے قرابت داروں اور یتامیٰ، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کے لئے ہے۔علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:وات ذاالقربیٰ حقہ و المسکین وابن السبیل......(سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۶) ترجمہ:رشتہ داروں کوان کاحق دیں اور مسکین اورضرورت مند مسافروں کوان کاحق دیں۔

میں مسافر بھی ہوں اور مفلس بھی ہوں۔اللہ نے قران میں اموال خمس میں میرا حصہ مقرر کیا ہے لیکن تو نے مجھے اس سے محروم کررکھا ہے۔

مامون نے کہا: کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں حدود الہیٰ کو تیری ان غلط سلط تاویلات کی وجہ سے معطل کردوں گا؟

جوان نے کہا:تم پہلے اپنی فکر کرواور دوسروں کو پاک کرنے سے پہلے اپنے آپ کو پاک کرو۔اگر تمہیں حد نافذ کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے اپنے اوپر حد نافذ کرو پھر دوسروں پر حدود نافذ کرو۔

جوان کی باتوں نے مامون کو چکرا دیا۔اس سے جوان کی باتوں کا تو کوئی جواب نہ بن آیا اس نے امام سے پوچھا:یاابوعبداللہ آپ کی اس بارے میں کیارائے ہے؟

امام نے فرمایا:اس آدمی کا مقصد یہ ہے کہ کیونکہ تم نے چوری کی ہے اس لئے اسے بھی چوری کی جرأت ہوئی۔اس گفتگو سے مامون مزید پریشان ہوا اور کچھ کرنے کے قابل نہ رہا۔البتہ اس نے اتنا کہا:خدا کی قسم، میں ضرور تیرا ہاتھ کاٹوں گا۔

جوان نے کہا:تجھے میرا ہاتھ کاٹنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔کیونکہ تو میرا غلام ہے۔

مامون نے کہا: تجھ پر ہلاکت ہو، میں تیرا غلام کہاں سے بن گیا؟

جوان نے کہا: تیری ماں کنیز تھی۔ تیرے باپ نے اسے اموال مسلمین سے خریدا تھا اسی وجہ سے تو تمام مسلمانوں کا غلام ہے ہاں سارے مسلمان تجھے آزاد کردیں تو تو آزاد ہوسکتا ہے لیکن یاد رکھو میں نے تجھے آزاد نہیں کیا اور اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تو نے اولاد پیغمبر کا حق ادا نہیں کیا۔ تو نے میرا حق ادا نہیں کیا اور مجھ جیسے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا حق ادا نہیں کیا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ تو خود کثیف ہے اور ایک کثیف شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو پاک کرے۔ صاف ستھرا انسان وہ ہے جو گناہ گاروں کو گناہ سے باہر نکال سکتا ہو۔ کیا تو نے قران مجید میں یہ فیصلہ نہیں سنا۔

"السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزآء بما کسبا نکالا من الله والله عزیز حکیم" (المائده. ۳۸.)

ترجمہ: اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا۔ اللہ غالب 'ور حکمت والا ہے۔

اس دوران مامون نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: اس شخص کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

"قل فلله الحجة البالغة" (سورة الانعام آیت ۱۴۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ سب سے بڑھی ہوئی حجت خدا کی ہے۔ اور اس جوان نے جو دلائل دیئے ہیں اگر یہ دلائل جاہلوں کے سامنے بھی پیش کئے جائیں تو وہ بھی اہل عقل

کی طرح ان کی تہ تک پہنچ جائیں گے اور دنیا و آخرت دونوں دلیل و برہان پر ہی قائم ہیں۔اس جوان نے اپنی دلیل و برہان پیش کی ہے اور آپ کے پاس اس کی دلیل کا کوئی جواب نہیں ہے لہذا بہتری اسی میں ہے کہ اسے رہا کر دیا جائے۔

مامون نے جوان کو رہا کر دیا اور کچھ دیر کے لئے دربار سے اٹھ کر خلوت میں چلا گیا۔اسے امام علیہ السلام پر بہت غصہ تھا بعد میں اس نے آپ کے قتل کی تدبیر کی اور آخر کار آپ کو زہر دے کر اپنے غصہ کی تسکین حاصل کی۔(۱۰۴)

تیز ترین سفر

عراقی مرحوم یہ معجزہ اپنی کتاب ''دارالسلام'' میں رقم فرماتے ہیں۔ان کا بیان ہے کہ یہ معجزہ ۱۲۹۲ھ ہجری میں پیش آیا۔

مرحوم لکھتے ہیں:

۱۲۹۲ھ ہجری میں بحرین کے کچھ شیعہ امام علی رضا علیہ السلام کی ضریح کی زیارت کے لیے مشہد مقدس گئے۔اس گروہ میں زیادہ تعداد عابد و زاہد افراد کی تھی۔ان کے قافلہ میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

زائرین نے اپنا خاصا وقت مشہد میں بسر کیا اور نوبت یہ ہوئی کہ ان کے پاس زادراہ ختم ہو گیا جب کہ ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ پہلے مشہد جائیں گے پھر کربلا جائیں گے پھر بصرہ کے راستے واپس بحرین چلے جائیں گے۔

جب ان کی پونجی ختم ہوئی تو وہ بڑے پریشان ہوئے۔انہوں نے مشہد کے

دوکانداروں سے اپنے مصارف کے لئے تھوڑا بہت قرض بھی لیا۔لیکن دوکانداروں نے انہیں دوبارہ قرض دینے سے انکار کردیا۔

اس حالت کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہوئے کیونکہ رقم نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو مشہد میں رہ سکتے تھے اور نہ ہی اپنے گھروں کو جاسکتے تھے۔

انہوں نے طے کیا کہ امام علی رضا علیہ السلام کے حرم میں جائیں اوران سے ہی استغاثہ کریں۔ جب وہ حرم میں گئے تو ایک محترم ومعزز شکل وصورت رکھنے والا شخص ان کے پاس آیااوران سے کہا: کیا آپ لوگ کربلانہیں جانا چاہتے؟

انہوں نے کہا: ہم کربلاتو جانا چاہتے ہیں لیکن مجبور ہیں ہمارے پاس وہاں تک جانے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔

اس بزرگوار نے ان سے کہا: میرے پاس کچھ گدھے ہیں میں وہ گدھے تمہارے تصرف میں دے دوں گا۔

زائرین نے کہا: مگر ہمارے پاس کرایہ کی رقم نہیں ہے۔

اس بزرگوار نے کہا: میں تمہیں کاظمین تک مفت لے جاؤں گا۔

زائرین نے کہا: ہمارے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ ہم کچھ کھاپی سکیں۔

بزرگوار نے کہا: میں کاظمین میں تمہارے اخراجات کی رقم تمہیں دلادوں گا۔

زائرین نے کہا: محترم! ہمیں یہاں مشہد مقدس میں بھی لوگوں کا کچھ قرض ادا کرنا ہے۔

اس بزرگوار شخص نے کہا: کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں کچھ رقم یہاں دے دیتا ہوں آپ قرض چکائیں اوراپنے سفر کی تیاری کریں آج شام آپ حضرات شہر کے

قاضی نے کہا: خلیفہ نے کچھ علماء کو طلب کیا تھا ان میں محمدؑ بن رضاؑ بھی تھے۔ ان علماء کو بلانے کا سبب یہ تھا کہ ایک چور نے اپنے جرم کا اعتراف کیا تھا اور چاہتا تھا کہ اس پر حدِ شرعی جاری کی جائے۔

خلیفہ نے مجھ سے پوچھا: ہم کیسے یہ کام کریں؟

میں نے کہا: چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹنا چاہیے۔

﴿خلیفہ نے مجھ سے دلیل پوچھی تو میں نے کہا کہ قران مجید میں چور کے لیے ''قطع ید'' کا حکم دیا گیا ہے اور لفظ ''ید'' (ہاتھ) کا اطلاق کلائی پر ہوتا ہے جیسا کہ آیت تیمّم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''فامسحوا بوجوھکم وایدیکم'' (النساء ۴۳) تیمّم میں تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔

اور ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ یہاں لفظ ''ید'' سے کلائی مراد ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ ''ید'' کا اطلاق کلائی پر ہوتا ہے اور چور کے لئے بھی ''قطع ید'' کا حکم ہے لہذا اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا۔ اضافہ من المترجم﴾

کچھ نے میری تائید کی لیکن کچھ دیگر فقہاء نے اختلاف کیا اور انہوں نے کہا کہ اس کا ہاتھ کہنی سے کاٹا جائے ﴿اور انہوں نے دلیل میں آیت وضو کے الفاظ ''وایدیکم الی المرافق'' ''وضو میں اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ'' پیش کیے اور انہوں نے یہ آیت پڑھ کر استدلال کیا کہ لفظ ''ید'' کا اطلاق کہنی تک ہوتا ہے۔ اس لئے چور کا ہاتھ کہنی سے کاٹا جائے۔ اضافہ من المترجم﴾

اس کے بعد خلیفہ نے امامِ جوادؑ کی طرف رخ کر کے کہا کہ آپ اس مسئلہ

میں کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس بحث سے معاف رکھیں؟

مگر خلیفہ نے ان سے اصرار کیا کہ آپ اپنا موقف ضرور واضح کریں۔

اس کے جواب میں انہوں نے کہا: دوسرے افراد اپنا موقف ظاہر کر چکے ہیں۔ لیکن خلیفہ نے انہیں قسم دی تو انہوں نے کہا: چور کے ہاتھ کی چار انگلیوں کو کاٹ دیا جائے اور انگوٹھا اور ہتھیلی باقی رہنے دی جائے۔ کیونکہ جب وہ نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے واجب ہے کہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھے اور ہاتھ کی ہتھیلی سجدہ کا مقام ہے کیونکہ اللہ قران میں فرماتا ہے: وان المساجد لله۔ (سورۂ جن۔ آیت ۱۸) ''سجدے کے مقامات اللہ کی ملکیت ہیں''۔ لہذا واجب ہے کہ ان کو نہ کاٹا جائے۔

خلیفہ نے کہا: بے شک حق آپ کے ساتھ ہے پھر اس نے حکم جاری کر دیا کہ چور کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹی جائیں۔ اس فیصلہ پر دربار میں شدید چیخ پکار ہوئی کیونکہ خلیفہ نے ایک بیس سالہ جوان کے فیصلے کو میرے فتویٰ پر فوقیت دی تھی۔

زرقان کا بیان ہے کہ پھر وہی قاضی تیسرے دن معتصم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں آپ کی خیر خواہی کے جذبے سے حاضر ہوا ہوں۔

خلیفہ نے کہا: کیا کہنا چاہتے ہو؟

قاضی نے کہا: آپ نے غور کیا کہ اس اجلاس میں آپ نے کیا غلطی کی۔

خلیفہ نے پوچھا: کون سی غلطی؟

قاضی نے کہا: آپ نے اس دن ہاشمی جوان کی بات کو قبول کر لیا تھا جب کہ اس کے ساتھی اسے امام سمجھتے ہیں اور یہ آپ کی حکومت کے لئے عظیم خطرہ ہے۔

اس طرح قاضی نے خلیفہ کو شدید وسوسہ میں گرفتار کر دیا یہاں تک کہ اس

نے کہا: تم نے مجھے اچھی نصیحت کی ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس کی تلافی کیسے کی جائے گی؟

حاسد قاضی نے کہا کہ اس کا بس یہی علاج ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اس کے بعد خلیفہ نے اپنے ایک وزیر کو حکم دیا کہ تم ابو جعفر کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دو اور کھانے میں زہر شامل کر دو۔

چنانچہ خلیفہ کی سازش کے تحت وزیر نے آپ کو دعوت دی۔ آپ نے شریک ہونے سے معذرت کی مگر دوسری طرف سے اصرار بڑھتا گیا۔ بہر حال آپ کو اس دعوت میں جانا ہی پڑا آپ نے کھانا کے چند لقمے اٹھائے تو احساس ہوا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے اٹھ کر جانے لگے تو صاحب خانہ نے کہا: آپ کھانا تو پورا کھائیں۔

امامؑ نے فرمایا: جو کچھ میں نے کھایا وہی میرے لئے کافی ہے۔ تمہارے گھر سے میرا چلا جانا بہتر ہے۔ چند دن بعد (اسی تکلیف) میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور شہید ہو گئے۔ (۱۰۵)

زمین کے فاصلوں کا سمٹ جانا

علی بن خالد نے جو مذہب زیدیہ کے علماء میں سے تھا یہ روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ میں سامرہ میں تھا وہاں مجھے معلوم ہوا کہ یہاں شام سے ایک قیدی لایا گیا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ میں زندان کے پہریداروں اور افسروں کے ذریعہ سے اس سے ملنے کے لئے گیا میں نے دیکھا کہ وہ ایک فہمیدہ انسان دکھائی دیتا تھا۔ میں

نے اس سے کہا کہ تیرا قصہ کیا ہے اور تجھے کیوں گرفتار کیا گیا؟

اس نے کہا کہ میں شام کا رہنے والا ہوں اور میں مقام راس الحسینؑ پر عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک رات میں محراب کے سامنے عبادت میں مصروف تھا کہ میرے پاس ایک نورانی بزرگ آئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ میں ان کے ساتھ اٹھا تو چند لمحوں بعد ہم مسجد کوفہ میں تھے حالانکہ شام اور مسجد کوفہ میں بڑا فاصلہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: کیا اس جگہ کو جانتے ہو؟

میں نے کہا: جی ہاں یہ مسجد کوفہ ہے۔ چنانچہ وہاں پر انہوں نے نماز پڑھی اور میں نے بھی نماز پڑھی۔ پھر ہم آگے روانہ ہوئے ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ہم مسجد نبوی میں پہنچ گئے اور ہم نے وہاں نماز پڑھی۔ انہوں نے قبرِ رسولؐ پر سلام کیا اور میں نے بھی سلام کیا اور ہم نے آنخضرتؐ پر درود پڑھا۔ پھر ہم وہاں سے اٹھے اور چند قدم چلے تو ہم مکہ میں پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے نماز ادا کی اور کعبہ کی زیارت کی اور وہاں سے نکلے ہم چند قدم چلے تو میں نے اپنے آپ کو شام میں پایا اور وہ شخصیت میری نگاہوں سے چھپ گئی۔ اس رات جو کچھ میرے ساتھ گزرا اور جو کچھ میں نے دیکھا اس پر میں بہت حیران تھا۔

یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا۔ پھر ایک سال کے عرصہ کے بعد وہی شخصیت دوبارہ آئی اور مجھے تمام مذکورہ مقامات مقدسہ کی زیارت کرائی۔ جب انہوں نے مجھے چھوڑنے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کو قسم دی کہ وہ اپنا تعارف کرائیں۔

بزرگوار نے فرمایا: میں محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ شیعوں کا نواں امام ہوں۔

میں نے چند دوستوں کو یہ واقعہ سنایا آہستہ آہستہ اس واقعہ کی شہرت خلیفہ معتصم عباسی کے وزیر (محمد بن عبدالملک زیات) تک پہنچی تو اس کے حکم پر مجھے گرفتار کرلیا گیا اور طوق و زنجیر پہنا کر مجھے عراق بھیج دیا گیا اور ہر جگہ مجھے جھوٹا مشہور کیا گیا کہ میں نے ایسا دعویٰ کیا ہے حالانکہ مجھے یہ منزلت اس مقام مقدس میں نماز پڑھنے کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔

میں نے اس سے کہا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں یہ سب وزیر کو لکھ بھیجوں تا کہ وہ اصل واقعہ سے مطلع ہو جائے؟

اس نے کہا: ہاں لکھ دو۔ پس میں نے پورا واقعہ وزیر کو لکھ بھیجا۔

لیکن اس کی طرف سے یہ جواب موصول ہوا کہ اُس سے کہو کہ جس نے ایک رات میں تجھے شام سے کوفہ اور وہاں سے مکہ اور پھر شام پہنچایا تھا اسی سے کہے کہ وہ اُسے اس زندان سے بھی باہر نکال لے جائے۔

علی بن خالد کا بیان ہے کہ حاکم کے اس جواب سے مجھے شدید صدمہ ہوا۔ اس دن میں صبح سویرے قید خانہ کی طرف گیا تا کہ اسے صبر کی تلقین کروں لیکن وہاں کے محافظوں کو بہت پریشان پایا۔

میں نے ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا:

''شامی قیدی آج رات گم ہوگیا۔ خدا جانے اسے زمین نگل گئی یا آسمان نے اچک لیا''۔ حکومت کے ملازمین نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔

اس واقعہ کے بعد علی بن خالد نے زیدی مسلک چھوڑ دیا اور مذہب امامیہ اختیار کرلیا۔ (۱۰۶)

جب امام کی توجہ
توبہ کا ذریعہ ثابت ہوئی

''ابوالحسن'' ایک فاطمی سیدزادہ تھا جو اپنا نسب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاتا تھا۔ وہ قم میں رہتا تھا لیکن اس کی بدبختی یہ تھی کہ شراب پیتا تھا۔

اس زمانے میں احمد بن اسحاق امام علی نقی علیہ السلام کی طرف سے قم میں وکیل اور نمائندہ تھے۔

ابوالحسن کو غربت نے ستایا تو وہ مالی امداد طلب کرنے کی غرض سے احمد بن اسحاق کے گھر گیا۔ احمد بن اسحاق کو اس کی شراب خوری کا علم تھا اسی لئے انہوں نے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دی اور خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا۔ کچھ عرصہ بعد احمد بن اسحاق امام علی نقی علیہ السلام کی زیارت کے لئے سامرا گئے اور امام علیہ السلام کے بیت الشرف پر پہنچے لیکن امامؑ نے ان کو داخلہ کی اجازت نہیں دی۔

احمد نے امامؑ کو ایک تحریر بھجوائی اور اس میں لکھا کہ مجھے آنے کی اجازت دی جائے تاکہ مجھے اپنی غلطی کا علم ہو سکے۔ آخرکار بڑے اصرار کے بعد امام نے انہیں ملاقات کی اجازت دی۔

احمد بن اسحاق نے امامؑ سے اس بے توجہی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: تمہارے پاس میرا عم زاد آیا تھا لیکن تم نے اس سے ملاقات نہیں کی تھی اور دروازے سے اسے دھتکار دیا تھا۔

احمد بن اسحاق نے کہا: مولا! میں نے اس وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کی کہ وہ شرابی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم مجھ سے اس کی قرابت کا احترام کرتے تو ممکن تھا کہ وہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کر لیتا۔

کچھ عرصہ بعد احمد بن اسحاق قم واپس آئے۔ ان کا استقبال کرنے والوں میں ابوالحسن بھی شامل تھا۔ احمد بن اسحاق نے اسے گلے لگایا اور اسے اپنے ساتھ صدر محفل میں جگہ دی اور اس کا احترام کیا۔ ابوالحسن کو ان کے رویہ پر خاصا تعجب ہوا اور اس نے محفل برخواست ہونے پر ان سے پوچھا کہ آپ نے پہلی بار تو مجھے دروازے سے دھتکار دیا تھا مگر اس بار آپ نے میرا اتنا احترام کیا ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

احمد بن اسحاق نے اس کے سامنے امام علی نقی علیہ السلام کی گفتگو دہرائی۔ ابوالحسن نے جب امام کی گفتگو سنی تو بے ساختہ کہا: ہائے میں نے کتنی بڑی غلطی کی ہے کہ اولادِ پیغمبر ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو برائیوں میں ملوث کیا ہے۔ پھر اس نے اسی وقت توبہ کی اور پھر پوری زندگی شراب کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

والدہِ صاحب الزمان (ع) کی آمد

حضرت ابوایوب انصاری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے جب مکہ سے ہجرت کی تھی تو مدینہ میں انہی کے گھر قیام فرمایا تھا۔ ان کی نسل میں سے ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام بشر بن سلمان تھا اور وہ امام علی نقی علیہ السلام کے

خاص دوستوں میں سے تھے اور سامرا میں آپؑ کے ہمسائے تھے۔

ایک مرتبہ امام علیہ السلام نے خادم کے ذریعے انہیں اپنے ہاں طلب کیا اور ان سے فرمایا: تمہارے دادا نے ہمارے نانا جان کی بہت خدمت کی تھی۔ اسی لئے میں تم کو ایک ضروری کام کے لئے بھیجتا ہوں اور یہ کام تمہاری سعادت کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ پھر آپ نے رومی زبان میں ایک خط تحریر کیا، اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی اور انہیں ایک تھیلی دی جس میں دوسو بیس طلائی دینار تھے۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا: تم یہاں سے پل بغداد پر چلے جاؤ جہاں غلام اور لونڈیاں بکا کرتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر انتظار کرنا۔ وہاں ایک بردہ فروش کشتی لے کر آئے گا جس کا نام عمر بن یزید ہوگا اس کے پاس بہت سی کنیزیں ہوں گی۔

ان کنیزوں میں تمہیں ان اوصاف کی ایک کنیز دکھائی دے گی جو رومی زبان میں گفتگو کرتی ہوگی اور وہ اپنے بیچے جانے پر اعتراض کرے گی اور جو بھی اس کا گاہک بن کر جائے گا وہ اس سے کہے گی کہ خواہ مخواہ اپنی دولت ضائع نہ کرو۔ میں تمہاری کنیزی میں نہیں آنا چاہتی۔ اس دوران ایک شخص بردہ فروش سے کہے گا کہ میں تین سو دینار میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ مگر وہ کنیز انکار کردے گی اور اس سے کہے گی کہ اگر تیرے پاس سلیمانؑ بن داؤدؑ کی بادشاہت ہی کیوں نہ ہو پھر بھی میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی۔

اس وقت بردہ فروش کہے گا کہ مجھے آخر تمہیں فروخت تو کرنا ہی ہے۔ آخر تم کب تک انکار کرتی رہو گی؟

اس وقت وہ کنیز اس سے کہے گی: جلد بازی نہ کر میرا خریدار آنے ہی والا

ہے۔اس وقت تم اس کنیز کے پاس جانا اور اسے میرا خط پہنچانا۔

بشر بن سلمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام کے فرمان پر عمل کیا اور وہاں پہنچ کر کنیز کو وہ خط دیا۔ کنیز نے خط لے کر پڑھا اسے چوما اور آنکھوں پر رکھا اور بردہ فروش سے کہا: کہ تم مجھے اس شخص کے ہاتھ فروخت کردو۔

میں نے امام علیہ السلام کی دی ہوئی رقم بردہ فروش کے حوالے کی اور کنیز کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ راستہ بھر کنیز خط کو چومتی رہی۔ میں نے اس سے کہا: کیا خط لکھنے والے کو پہچانتی ہو؟

اس نے کہا: میں کیوں نہ پہچانوں گی، کیا تم نہیں پہچانتے؟

میں نے کہا: کیوں نہیں وہی تو میرے امام ہیں۔

کنیز نے کہا: میں قیصر روم کی پوتی ہوں۔ جب میری عمر تیرہ برس کی ہوئی تو میرے دادا نے اپنے بھتیجے سے میرے نکاح کا ارادہ کیا اس کیلئے اس نے خوبصورت مجلس آراستہ کی اور تین سو علماء، سات سو امراء اور چار ہزار معززین کو شرکت کی دعوت دی۔ دولہا کے بیٹھنے کے لئے ایک بلند و بالا چبوترہ بنوایا گیا۔

پادریوں نے انجیل پڑھنا شروع کی تھی کہ اچانک زمین میں لرزہ پیدا ہوا اور تخت ٹوٹ گیا اور میرا ہونے والا شوہر تخت سے گر کر مر گیا۔ پادریوں نے میرے دادا سے کہا کہ یہ تقریب منحوس ہے لہذا آپ مزید رسومات بجا نہ لائیں۔ یہ جو کچھ ہوا ہے یہ دین مسیح کے زوال کی علامت ہے۔

پھر کچھ عرصہ بعد میرے دادا نے ایک ایسی ہی تقریب منعقد کی اور کہا کہ مرحوم دولہا کے بھائی کو بلاؤ میں اس سے اپنی پوتی کی شادی کروں گا تاکہ یہ نحوست ختم

ہو جائے۔

جب رسومات کا آغاز ہوا تو اس مرتبہ بھی وہی کچھ ہوا جو پہلے ہوا تھا اور اس دولہا کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کے بھائی کا ہوا تھا۔

میں نے اس رات خواب میں حضرت عیسیٰ اور ان کے وصی شمعون جوان کے حواریوں میں تھے اور اپنے دادا کو دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سید جلیل کے ساتھ وہاں تشریف لائے۔ اور مسیحؑ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ شمون کی بیٹی کا نکاح میرے بیٹے حسن سے ہو جائے۔

حضرت مسیح نے کہا: یہ ہمارے لئے ایک اعزاز ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارا صیغہ نکاح پڑھا۔

میں خواب سے بیدار ہوئی تو میں نے کسی سے اپنا یہ خواب بیان کرنے کی جرأت نہ کی۔ لیکن امام حسنؑ کی محبت جنہیں میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا میرے رگ و پے میں ایسی رچی کہ میں نے کھانا پینا تک چھوڑ دیا جس کی وجہ سے میں کمزور ہو گئی۔

میرے والد نے بہترین طبیب بلائے لیکن مجھے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایک دن دادا میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا: بیٹی! تم کیا چاہتی ہو؟

میں نے کہا: دادا جان! اگر آپ ان مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیں تو مجھے امید ہے کہ مجھے صحت مل جائے۔

میرے دادا نے کچھ مسلمان قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا اور باقی کی قید کی سختیوں کو نرم کر دیا تو میں کچھ کھانے لگی مجھے رو بصحت دیکھ کر میرے دادا کو خوشی ہوئی۔

پھر چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خاتون جنت سیدہ نساء العالمین فاطمہ زہراء سلام اللہ علیھا میرے پاس تشریف لائیں اور انہوں نے کہا کہ میں تیرے شوہر کی ماں ہوں۔ میں نے بی بی سے ان کے فرزند کا شکوہ کیا اور بی بی سے کہا کہ آپ کے بیٹے سے میری ملاقات نہیں ہوتی۔

حضرت سیدہ نے فرمایا: وہ اس لئے ملنے نہیں آتا کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ کہو **اشهد ان لااله الا الله و اشهدان محمداً رسول الله.** چنانچہ میں نے حضرت سیدہؑ کے ہاتھ پر کلمہ شہادتین پڑھا اور مسلمان ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت سیدہؑ نے مجھ سے فرمایا: آج کے بعد تم انہیں دیکھ سکو گی۔ اس دن سے لے کر آج تک میں روزانہ حضرت کی زیارت سے مستفید ہوتی رہی ہوں۔

ایک رات میرے شوہر نے مجھے خواب میں حکم دیا کہ مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہونے والی ہے تم چند کنیزوں کے ساتھ بھیس بدل کر فلاں راستے سے ان کے ہمراہ ہو جانا۔ راستے میں مسلمانوں کا ایک گروہ تمہیں گرفتار کر لے گا اور تمہیں کنیز بنا کر بغداد بھیج دیا جائے گا۔ جب تم بغداد میں پہنچو گی تو ہمارا نمائندہ میرے والد کا خط لے کر تمہیں آ کر خرید لے گا تم اس کے ساتھ چلی آنا۔

چنانچہ میں نے امامؑ کے فرمان پر عمل کیا جس کے نتیجہ تمہارے سامنے موجود ہے۔

بشر کہتے ہیں کہ میں اس کنیز کو لے کر سامرا پہنچا۔ امام علی نقی علیہ السلام نے اس کنیز سے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں دس ہزار دینار تمہیں ہدیہ کروں اور اگر چاہو تو ہمیشہ کا شرف حاصل کر لو۔

بی بی نے کہا: مولا! میں ہمیشہ کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہوں۔

امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں خدا کی طرف سے ایک بیٹا مبارک ہو جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

پھر آپ نے اپنی بہن حضرت حکیمہ خاتون سے فرمایا کہ تم اسے لے جاؤ اور اسے دین اسلام کے معارف کی تعلیم دو۔

امام حسن عسکری نے بائیس برس کی عمر میں حضرت نرجس سے شادی کی حضرت حکیمہ کہتی ہیں کہ میں ۲۵۵ھ شعبان المعظم کی چودہ تاریخ کو اپنے بھائی کے گھر گئی۔

جب شام کے وقت میں نے اپنے گھر واپس آنے کا ارادہ کیا تو میرے بھتیجے حسن عسکری نے کہا: پھوپھی جان! آپ کہاں جارہی ہیں؟

میں نے کہا: بیٹا میں اپنے گھر جارہی ہوں۔

امام حسن عسکری نے کہا: پھوپھی جان! آج رات آپ یہاں قیام کریں کیونکہ آج رات مہدی (عج) کی ولادت ہوگی۔

میں نے حیران ہو کر کہا: بیٹا! کس سے؟

امام حسن عسکری نے فرمایا: پھوپھی جان! نرجس سے۔

حضرت حکیمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: بیٹا! مجھے تو اس میں آثارِ حمل ہی دکھائی نہیں دیتے۔

امام حسن عسکری نے فرمایا: پھوپھی جان! مہدیؑ کی ولادت حضرت موسیٰ کی ولادت کی طرح سے مخفی ہوگی۔

حضرت حکیمہ ٹھہر گئیں اور انہوں نے امام سے پوچھا کہ بچہ کب پیدا ہوگا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اذان صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان پیدا ہوگا۔

حضرت حکیمہ کہتی ہیں کہ نرجس نے نماز شب پڑھی اور سو گئیں پھر اول وقت پر نماز صبح پڑھ کر پھر سو گئیں پھر طلوع آفتاب کے قریب نرجس نیند سے بیدار ہوئیں تو میں نے پوچھا: تمہیں کچھ محسوس ہو رہا ہے؟

بی بی نرجس نے کہا: جی ہاں۔ اس وقت میں نے سورہ یاسین اور سورہ السجدہ پڑھ کر اس پر دم کیا۔ دوسرے کمرے سے حسن عسکریؑ کی آواز آئی پھوپھی! سورہ قدر پڑھو۔

حضرت حکیمہ کہتی ہیں کہ اس وقت مجھے اپنے وجود میں عجیب سا سکون محسوس ہونے لگا میری آنکھ بند ہونے لگی پھر میں نے دیکھا کہ میرے اور نرجس کے درمیان ایک پردہ سا حائل ہوگیا۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ پردہ ہٹ گیا اس وقت نرجس کے چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور وفور نور کی وجہ سے اس کے چہرے پر نظریں ٹکانا مشکل ہوگیا تھا۔

پھر میں نے ایک نورانی مولود کو دیکھا جو حالت سجدہ میں تھا اور کہہ رہا تھا۔ اشھدان لاالہ الاالله و اشھدان محمد ارسول الله و اشھدان ابی امیرالمومنین وصی رسول الله و الحسن و الحسین حج الله علی خلقه.

پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین .(سورہ القصص.

آیت ۵.)

ترجمہ: اور ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جنہیں زمین میں کمزور بنا دیا گیا ہے اور ہم انہیں امام اور انہیں وارث بنانا چاہتے ہیں۔

پھر آپ نے کہا: پروردگار! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے میں اس پر عمل کروں گا اور میں زمین کو عدل و انصاف سے بھر دوں گا۔

نومولود کا جسم چاندی کی طرح سے چمکدار تھا اور اس کے بازو پر یہ آیت تحریر تھی۔ "جآء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا"

ترجمہ: حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا یقیناً باطل بھاگا ہی کرتا ہے۔

اس وقت امام حسن عسکری علیہ السلام نے بلند آواز سے فرمایا: میرا فرزند میرے پاس لے آؤ۔

حضرت حکیمہ کہتی ہیں جب میں نومولود کو والد کے پاس لے گئی تو بچے نے اپنے والد کو سلام کیا۔ (۱۰۷)

جنگِ صفین کا زخم

محی الدین اربلی بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے اتفاق سے سر سے عمامہ اتارا تو اس کے سر پر گہرے زخم کا نشان تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ نشان کیسا ہے؟

اس نے کہا: یہ زخم مجھے جنگِ صفین میں لگا تھا۔

میں نے کہا: بندہ خدا! جنگِ صفین تو آج سے سات صدیاں پہلے ہوئی تھی۔

اس شخص نے کہا: بات یہ ہے کہ ایک بار میں مصر جارہا تھا۔ راستے میں ''غزہ'' کا رہنے والا ایک شخص میرا ہم سفر بنا۔ جب ہم آدھا راستہ طے کر چکے تو ہمارے درمیان جنگ صفین کی بحث چل پڑی۔

میرے ہم سفر نے کہا: کاش اگر میں جنگ صفین میں ہوتا تو علیؑ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتا۔

جواب میں میں نے کہا: اے کاش اگر میں جنگِ صفین میں ہوتا تو میں معاویہ اور اس کے ساتھیوں کے خون سے اپنی تلوار کی پیاس بجھاتا۔ کیونکہ ہم سے ایک امام علیؑ کا پیروکار اور دوسرا معاویہ کا پیروکار تھا۔

پھر میں نے کہا: آؤ ہم تم آپس میں جنگ کر لیں۔

میرے ہم سفر نے کہا: مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں صحرا میں لڑنے لگے لڑائی کرتے کرتے میں تھک گیا میرے ہم سفر نے اپنی تلوار سے میرے سر پر وار کیا۔ میرا چہرہ خون سے بھر گیا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

کچھ دیر بعد ایک شخص نے مجھے اپنے نیزے کی انی سے بیدار کیا جب میں نے اسے دیکھا تو اس کی شکل وصورت بڑی نورانی تھی۔ اس نے اپنا دستِ مبارک میرے سر پر پھیرا۔ میرا زخم اسی وقت بھر گیا اور میں تندرست ہو گیا۔ اس کے بعد اس محترم شخص نے مجھ سے فرمایا: میرے آنے تک یہاں رہنا۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا اس کے بعد وہ بزرگوار آئے ان کے ہاتھ میں میرے ہم سفر کا کٹا ہوا سر تھا اور اس کا گھوڑا ان کے پیچھے آرہا تھا۔

انہوں نے مجھ سے فرمایا: یہ تیرے دشمن کا سر ہے۔ تم نے ہماری مدد کی تھی اسی لئے ہم نے تمہاری مدد کی ہے اور خدا کی روش بھی یہی ہے کہ جو اس کی مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے۔

میں نے عرض کیا: میرے سردار اپنا تعارف کرائیں۔

انہوں نے کہا: میں حجت بن الحسن العسکری تیرا امام ہوں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا جب تم سے کوئی اس زخم کے متعلق پوچھے تو جواب میں کہنا کہ یہ زخم امیر المومنینؑ کی نصرت میں جنگ صفین میں لگا تھا۔ (۱۰۸)

ہدایت

جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت خاصہ سے نوازنا چاہتا ہے تو اہلِ عِناد کے لئے حضرت مہدیؑ کا کوئی معجزہ دکھا دیتا ہے۔

۱۳۱۷ھ ہجری میں نجف کے ایک گھرانے نے عقیدہ تشیع اختیار کیا تھا۔ محدث نوری ان سے چاہتے تھے کہ وہ اپنے قلم سے اس قصہ کو لکھیں کیونکہ یہ ایک حیران کن واقعہ تھا۔ خاندان کے سربراہ سید عبدالحمید کے نام سے جانے جاتے تھے وہ خطیب اور قاری قران تھے اور ان کا دفتر نجف اشرف میں تھا۔ وہ تشیع اختیار کرنے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ہمارے گھرانے کے ایک بزرگ کی بیوی کے سر میں شدید درد ہوا اور وہ بے چاری شدت درد سے نہ تو کھانا کھا سکتی تھی اور نہ ہی سو سکتی تھی۔ چند دن کے شدید درد

کی وجہ سے اس کی نظر ختم ہوگئی۔ جب وہ اس کی شفاء سے مایوس ہو گئے تو مجھ سے رجوع کیا اور پوچھا کہ کیا کیا جائے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کے لئے دوا کی ضرورت نہیں اس کو امیر المومنینؑ ٹھیک کردیں گے کیونکہ وہ حلاّلِ مشکلات ہیں۔ جب رات کے وقت امیر المومنین علیہ السلام کے حرم مطہر کا رش کم ہو جائے تو تم بیمار خاتون کو حضرتؑ کے مزار پر لے جاؤ اور خدا کو حضرتؑ کا واسطہ دے کر شفا طلب کرو۔

اسی رات بیمار خاتون کو تھوڑا سا آرام محسوس ہوا اسے نیند آ گئی اور اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے حرم مطہر میں داخل ہو رہی ہے اس نے حرم مطہر میں ایک نورانی شخصیت کو دیکھا۔ انہوں نے اس خاتون سے کہا: خاتون! اطمینان رکھو تم تندرست ہو جاؤ گی۔

عورت نے عالمِ خواب میں عرض کیا: آقا! آپ کون ہیں؟

انہوں نے کہا: میں علی بن ابی طالب ہوں اور یہ میرا فرزند مہدی (عج) ہے۔

عورت جیسے ہی خواب سے بیدار ہوئی تو اس نے محسوس کیا کہ وہ بالکل تندرست ہو چکی ہے اور اس کی بینائی لوٹ آئی ہے۔ اس نے خوشی سے اپنے گھر والوں کو چیخ کر بتایا کہ میں امیر المومنین اور حضرت مہدی (عج) کی برکت سے تندرست ہو چکی ہوں۔

صبح ہوئی تو اس کا خاندان اسے امیر المومنین علیہ السلام کے حرم مطہر پر لے آیا۔

اس واقعہ کے بعد وہ سارا گھرانہ اور شہریوں کی ایک بڑی تعداد شیعہ ہوگئی۔

نئی زندگی

شہر ''حِلّہ'' میں ایک مخلص شیعہ رہتا تھا جسے ''ابوراجح حمامی'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) کا بڑا شیدائی تھا۔

حاکم حلّہ کو مخالفت اہل بیت کی وجہ سے ''مرجان صغیر'' کہا جاتا تھا ایک مرتبہ وہ اس غریب شیعہ پر سخت ناراض ہوا اور اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اسے اتنا پیٹو کہ یہ مرجائے۔

ظالم کے سپاہیوں نے ''ابوراجح حمامی'' کو گرفتار کیا اور اسے حلّہ کی گلیوں بازاروں میں اتنا مارا کہ اس بے چارے کے تمام دانت ٹوٹ گئے اس کے گلے میں رسی ڈال کر اسے گھسیٹتے رہے کہ اس کا سارا بدن لہولہان ہوگیا۔ یہاں تک کہ وہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ حاکم نے حکم دیا کہ اسے وہیں قتل کردیا جائے۔

کافی لوگ وہاں جمع ہوگئے اور انہوں نے سپاہیوں سے کہا: یہ خود ہی مرنے والا ہے اسے ایسے ہی چھوڑ دو۔

سپاہیوں نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور لوگ دیکھ رہے تھے کہ کسی بھی لمحہ وہ مرجائیگا۔ اس کے گھر والوں کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اسے اٹھا کر گھر لے گئے۔ اگلی صبح گھر والے حیرت زدہ رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ابوراجح تعقیباتِ نماز پڑھنے میں مصروف ہے۔

اس کے اطراف لوگ جمع ہوگئے اور اس سے پوچھنے لگے: یہ کیسے ہوا کہ تمہارا جسم چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور ہم تمہارے جسم پر کسی زخم کا نشان نہیں دیکھ

رہے، تمہارے دانت تمہارے منہ میں پہلے سے زیادہ اچھی طرح جمے ہوئے ہیں اور تمہاری صحت بھی پہلے سے اچھی ہے۔

ابوراجح نے کہا: میں چاہتا تھا کہ اپنے امام زمانہ (عج) سے توسل پیدا کروں اور اپنی حالت زار کا ان سے شکوہ کروں لیکن زبان سے کچھ بھی عرض کرنے سے قاصر تھا تو دل ہی دل میں اپنے مولا و آقا سے میں نے توسل پیدا کیا۔

پورا گھر اچانک بقعہ نور بن گیا اور امام علیہ السلام تشریف لائے آپ نے اپنا دستِ شفا میرے جسم پر پھیرا تو میں نے زخموں اور تکلیفوں سے فوراً نجات پالی۔ اس معجزہ کی عجیب بات یہ ہے کہ اس واقعہ سے پہلے ''ابوراجح'' کے چہرے پر بہت سے تلِ تھے جس کی وجہ سے اس کا چہرہ بدصورت لگتا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد اس کا چہرہ بالکل بے داغ ہوگیا اور اتنا دیدہ زیب ہوگیا کہ لوگ اس کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آنے لگے۔

جب حاکمِ حلّہ نے یہ واقعہ سنا تو وہ گھبرا گیا اور اس نے اپنے ظلم و ستم سے ہمیشہ کے لئے توبہ کی اور مقام امام مہدی (عج) کا احترام کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد ابوراجح کو کئی بچوں سے نوازا۔ (۱۰۹)

ابن مہزیار خدمتِ امام علیہ السلام میں

غیبتِ کبریٰ کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد علی بن مہزیار ہر سال حج پر جاتے۔ وہ ایام حج کے آغاز میں مکہ آنے والے پہلے افراد میں ہوتے تھے اور وہاں

سے نکلنے والے آخری فرد ہوتے تھے۔ وہ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ انہوں نے اہلِ علم سے یہ بات سنی تھی کہ امام زمانہ ہر سال حج کے دوران عرفات تشریف لاتے ہیں۔

وہ بیس برس تک زیارت امام کا اشتیاق لے کر حج پر آتے رہے لیکن اپنے محبوب کی زیارت کی توفیق نہ پا سکے۔ جس کی وجہ سے وہ مایوس ہو گئے اور دل میں کہا کہ اس سال حج پر نہیں جاؤں گا۔

ایام حج شروع ہونے کے قریب تھے کہ عالمِ خواب میں انہوں نے کسی منادی کی یہ ندا سنی کہ اس مرتبہ حج پر جاؤ تمہیں تمہاری مراد حاصل ہوگی۔ ابن مہز یار نیند سے اٹھے، انہوں نے سامان سفر تیار کیا اور گھر سے روانہ ہو کر کوفہ آئے، کوفہ سے مدینہ گئے اور مدینہ سے مکہ آ گئے۔

ایک رات جب ابن مہریار طواف کر رہے تھے تو انہوں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جس کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا اور اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا۔

وہ جوان ابن مہز یار کے پاس آیا اور انہیں گلے لگایا۔ پھر ابن مہز یار سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟

انہوں نے کہا: میں اہواز سے آیا ہوں۔

جوان نے کہا: ابن خضیب کا کیا حال ہے؟

ابن مہز یار نے کہا: وہ وفات پا چکے ہیں۔

جوان نے تین بار یہ الفاظ کہے: خدا اس پر رحم کرے وہ شب زندہ دار تھا اور راتوں کو خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔

جوان نے پھر کہا: ابن مہز یار کا کیا حال ہے؟

ابن مہز یار نے کہا: میں ہی ابن مہز یار ہوں۔

جوان نے کہا: کیا امام حسن عسکری علیہ السلام کی امانت تمہارے پاس موجود ہے؟

ابن مہز یار نے کہا: جی ہاں، پھر انہوں نے حضرت کی عطا کردہ انگشتری اتار کر جوان کو دکھائی۔

جوان نے انگشتری ہاتھ میں لی اور اسے بوسہ دیا اور رونے لگا پھر اس نے ابن مہز یار سے کہا: خدا تمہیں کامیابی دے یہاں کیوں آئے ہو؟

ابن مہز یار نے کہا: جوان! میں تو بیس سال سے یہاں آرہا ہوں اور میری بس ایک ہی تمنا ہے کہ پردہ غیب میں پوشیدہ اپنے امام کی زیارت کا شرف حاصل کروں۔

جوان نے کہا: امام پوشیدہ نہیں ہے تم اپنے گناہوں کی وجہ سے امام کے دیدار سے محروم ہو۔ پھر کہا: مجھے اجازت مل چکی کہ میں تمہیں ساتھ لے کر امام کی خدمت میں لے جاؤں۔ جب رات کے وقت آسمان میں ستارے ظاہر ہو جائیں تو تم جبل صفا کے قریب آجانا میں تمہیں امام کی خدمت میں لے جاؤں گا۔

مقررہ وقت پر ابن مہز یار اس جگہ پہنچے تو وہ جوان موجود تھا۔ دونوں اپنی سواریوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ کچھ دیر تک پہاڑی ٹیلے عبور کرتے رہے پھر جوان نے کہا: یہ نماز شب کا وقت ہے۔ آؤ ہم دونوں نماز شب پڑھ لیں۔ دونوں اپنی سواریوں سے اترے اور نماز شب پڑھی۔ اس کے بعد سواریوں پر سوار ہو کر سفر کرنے لگے۔ طلوع آفتاب سے قبل جوان نے کہا کہ آؤ نماز فجر پڑھ لیں۔ دونوں نے نماز فجر پڑھی، نماز کے بعد انہوں نے پھر سفر شروع کیا۔ کچھ دیر بعد ایک ایسی وادی میں پہنچے

جہاں مشک وعنبر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وادی کے درمیان ایک خیمہ نصب تھا جس سے نور کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر آسمان تک جارہی تھیں۔

جوان نے ابن مہز یار سے کہا: اپنی سواری سے اترو اور اسے یہیں چھوڑ دو یہ کہیں نہیں جائے گی۔ یہ وادی امان ہے۔

ابن مہز یار ناقہ سے اترے اور کچھ دیر تک چلتے رہے۔ جوان نے ان سے کہا کہ اب آپ رُک جائیں تاکہ میں آپ کے لئے اجازت حاصل کروں۔ ابن مہز یار رُک گئے۔ کچھ دیر بعد جوان واپس آیا اور کہا: تمہیں مبارک ہو تمہیں اجازت مل گئی ہے۔

ابن مہز یار نے خیمہ کا پردہ اٹھایا تو اندر امام کا نور اتنا زیادہ تھا کہ ابن مہز یار بے ہوش ہونے کے قریب ہوگئے۔ پھر انہوں نے حواس جمع کیے اور حضرت کو سلام کیا۔ امام (ع) نے ان سے شیعان عراق کا حال پوچھا۔ ابن مہز یار نے جواب دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں لوگوں کے شور وغوغا سے دور گرد و نواح میں رہتا ہوں۔

ابن مہز یار کے پاس سونے سے بھری ہوئی ایک تھیلی تھی اس نے وہ تھیلی امام کی خدمت میں پیش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر قبول نہ کی کہ تم اسے اپنے پاس رکھو عنقریب تمہیں اس کی ضرورت محسوس ہوگی۔ (۱۱۰)

ایک لاعلاج بیمار کی شفایابی

اسماعیل ہرقلی ایک مخلص شیعہ تھا۔ وہ سید ابن طاؤس کے دور کا فرد تھا۔ اس کی ران میں ایک زخم ہو گیا جس سے اسے شدید اذیت ہوتی تھی۔

موسم بہار جیسے ہی شروع ہوتا تو اس کا زخم کھل جاتا تھا اور اس سے خون نکلنے لگتا تھا۔ اسماعیل نے بہت علاج کرایا لیکن کہیں سے بھی شفا نصیب نہ ہوئی شدت درد کی وجہ سے وہ بیچارہ موت کی تمنا کرتا تھا مگر موت بھی اس سے دور تھی۔

ایک مرتبہ وہ سید ابن طاؤس کے پاس آیا۔ آپ نے حلّہ شہر کے تمام اچھے طبیب بُلوائے اور انہیں اسماعیل کا زخم دکھایا۔ معائنے کے بعد تمام ڈاکٹروں نے کہا کہ زخم کا تعلق اس کی رگوں سے ہے اور جب ہم زخم کا علاج کریں گے تو ہمیں وہ رگیں کاٹنا پڑیں گی اور یوں صرف رگیں ہی نہیں گٹیں گی اس کے پاؤں کو کاٹنا پڑے گا اور اگر اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو یہ مر جائے گا۔

سید ابن طاؤس نے اسماعیل سے فرمایا: میں عنقریب بغداد جانا چاہتا ہوں، میں تمہیں اپنے ساتھ بغداد لے جاؤں گا وہاں بڑے بڑے ڈاکٹر رہتے ہیں ممکن ہے تم ان کے علاج سے شفایاب ہو جاؤ۔ لیکن بغداد میں بھی تمام اطباء نے تائید کی کہ اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اس خبر سے سید پریشان ہو گئے۔

اسماعیل نے سید ابن طاؤس سے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کروں۔

الغرض اسماعیل سامرا چلا گیا اور حرم میں داخل ہونے کے بعد امام زمانہ

(عج) کے سرداب میں اترا اور وہاں بیٹھ کر اس نے زیارت اور نماز پڑھنی شروع کی۔

دوسرا دن ہوا تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے سب سے پہلے دریائے دجلہ پر جانا چاہیے اور وہاں جا کر خون اور زخم کو دھونا چاہیے اور اس کے بعد غسل کر کے حرم میں آؤں گا اور اللہ تعالیٰ سے معصومین کے توسل سے دعا مانگوں گا۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میری بیماری دور کر دے اور مجھ پر نگاہ رحمت فرمائے۔

یہ سوچ کر وہ دریائے دجلہ پر گیا وہاں اپنے خون آلودہ کپڑے دھوئے اور خود نہایا۔ اس اثنا میں اس کے سامنے چار سوار نمودار ہوئے ان میں سے تین سوار اکٹھے تھے اور ایک سوار علیحدہ تھا۔ ان سواروں میں ایک شخص پختہ عمر کا دکھائی دیتا تھا۔

جو گھوڑا سوار اکیلا تھا وہ اسماعیل کے قریب آیا اور اس نے اس کا نام لے کر کہا: اسماعیل! مجھے اپنا زخمی پاؤں دکھاؤ۔

اپنا نام سن کر اسماعیل پریشان ہوا پھر اس نے سوچا کہ اگر میں نے اسے اپنا زخم دکھایا اور اس نے اسے مس کیا تو زخم سے دوبارہ خون بہنے لگے گا اور کپڑے دوبارہ نجس ہو جائیں گے۔ اس لئے اس نے تھوڑا سا تامل کیا۔ گھوڑا سوار آگے بڑھا اور اس نے اس کے زخم پر اپنا ہاتھ رکھا اور تھوڑا سا زور دیا۔

پختہ عمر کے آدمی نے آواز دے کر کہا: اسماعیل! تم کامیاب ہو گئے ہو۔

اسماعیل نے کہا: خدا تم سب کو کامیابی عطا فرمائے۔

پھر پختہ عمر شخص نے کہا: کیا تم اس بزرگوار کو جانتے ہو؟ سنو، یہ تمہارے آقا و مولا حضرت صاحب الزمان ہیں۔

اسماعیل نے جیسے ہی حضرت کا نام سنا تو وہ دیوانہ وار آپ کے قدموں کا

بوسہ لینے کے لئے حضرت کی طرف دوڑا۔

امام زمانہ (عج) نے فرمایا: اسماعیل رُک جاؤ۔

اسماعیل رُک گیا۔ لیکن دل کو قرار نہ آیا۔ پھر مولا کے پیچھے دوڑنے لگا۔ مولا نے اسے دوبارہ واپس جانے کا حکم دیا۔ وہ رُک گیا۔ لیکن پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے آقا و مولا کی قدم بوسی کے لئے دوڑنے لگا تو اس پختہ عمر بزرگ نے جسے اس نے حضرت خضر سمجھا تھا اسے مخاطب کر کے فرمایا:

اسماعیل! شرم کرو، جب تیرے امام نے تجھے لوٹ جانے کے لئے کہا ہے تو تجھے ان کی اطاعت کرنا چاہیے۔

اسماعیل پر ایسی غفلت طاری ہوگئی گویا وہ نیند سے اٹھا ہو۔ امام علیہ السلام نے فرمایا جب تو بغداد جائے گا تو عباسی خلیفہ تجھے کچھ رقم دے گا تو وہ رقم قبول نہ کرنا اور ہمارے فرزند سید ابن طاوؤس سے کہنا کہ وہ تیرے لئے علی بن عوض سے سفارش کرے، ہم خود بھی تیرے متعلق سفارش کر دیں گے۔

یہ حکم دینے کے بعد امام علیہ السلام اس کی نگاہوں سے غائب ہو گئے۔ اسماعیل کو یوں لگا جیسے اس نے جاگتے میں خواب دیکھا ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے پاؤں کو دیکھا تو اس میں کسی زخم کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ اسماعیل نے دل میں کہا ممکن ہے مجھے اشتباہ ہو رہا ہو زخم دوسرے پاؤں میں ہو۔ اس نے دوسرے پاؤں کو بھی خوب دیکھا اسے وہاں بھی کوئی زخم دکھائی نہ دیا۔ وہ خوشی خوشی اڑتا ہوا سامرا آیا جب اہل سامرا اس واقعے واقف ہوئے تو انہوں نے اس پر ہجوم کر لیا اور اس کے کپڑوں کو تبرک سمجھ کر کاٹنے لگے۔

اسماعیل سامرا سے فوراً بغداد آیا۔ اس کے آنے سے پہلے اہل بغداد کو اس واقعے کی خبر مل چکی تھی۔ اس کے استقبال کے لئے سید ابن طاؤس بھی حلہ سے بغداد تشریف لائے۔ آپ نے اسماعیل سے فرمایا: یہ سارا ہجوم تمہاری زیارت کے لئے آیا ہے۔ تم مجھے اپنا پاؤں دکھاؤ۔ اسماعیل نے وہ جگہ دکھائی جہاں امام زمانہ (عج) نے ہاتھ رکھا تھا۔ سید ابن طاؤس فرط عقیدت سے بے ہوش ہو گئے۔ لوگ انہیں بڑی مشکل سے ہوش میں لائے۔

سید ابن طاؤس، اسماعیل کو ساتھ لے کر وزیر کے پاس آئے۔

وزیر نے کہا: پہلے ہم ان تمام اطباء کو جمع کرتے ہیں جنہوں نے اس کے زخم کا مشاہدہ کیا تھا اس کے بعد ہم آپ کی بات کی تصدیق کریں گے۔

الغرض اطباء وزیر کے پاس آئے۔ سید ابن طاؤس نے ان سے فرمایا کہ آپ حضرات نے کتنا عرصہ قبل اسماعیل کے زخم کا ملاحظہ کیا تھا؟

ڈاکٹروں نے کہا: یہ آج سے دس دن پہلے کا واقعہ ہے۔

سید نے فرمایا: اس کے زخم کی کیا حالت تھی؟

ڈاکٹروں نے کہا: اس کا زخم لاعلاج تھا۔

سید نے فرمایا: اگر بفرض محال تمہاری دواؤں سے یہ صحت یاب ہو بھی جاتا تو صحت یابی کے لیے اسے کتنا عرصہ درکار ہوتا؟

ڈاکٹروں نے کہا: اگر بفرض محال یہ ہماری دواؤں سے شفایاب ہوتا بھی تو بھی اس کے لئے کم از کم دو ماہ کا عرصہ ضرور لگ جاتا اور زخم کی جگہ پر کبھی بال نہ اُگتے اور پوری زندگی زخم کا نشان باقی رہتا۔

اس کے بعد اسماعیل نے انہیں اپنے دونوں پاؤں دکھائے جن پر زخم کا ہلکا سا نشان تک نہیں تھا۔

ان ڈاکٹروں میں ایک عیسائی ڈاکٹر بھی موجود تھا اس نے یہ دیکھ کر کہا: خدا کی قسم! اسے عیسیٰؑ نے شفا دی ہے۔

سید ابن طاؤس نے فرمایا: اسے عیسیٰؑ نے نہیں بلکہ عیسیٰؑ کے مولا نے شفا دلائی ہے اور عیسیٰؑ کے مولا وہ ہیں جن کی اقتداء میں عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔

اسماعیل کی شفایابی کی خبر خلیفہ تک پہنچی تو اس نے ایک ہزار طلائی دینار اس کے پاس روانہ کیے جسے اسماعیل نے قبول نہ کیا۔ جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: جس آقا و مولا نے مجھے شفا دلائی تھی اس نے مجھے خلیفہ کی رقم قبول کرنے سے منع کیا تھا۔

خلیفہ نے یہ سنا تو وہ بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا: معلوم ہوتا ہے کہ ہماری رقم امام کی نظر میں غیر مقبول ہے۔

امام علیہ السلام کی برکت سے کچھ دنوں بعد اسماعیل کو حکومت میں بڑا منصب مل گیا۔ (۱۱۱)

حلّالِ مشکلات

حضرت مقدس اردبیلی دورِ صفوی کے مشہور ترین علماء میں سے تھے، آپ اپنے زمانے کے سب سے زاہد انسان تھے۔ آپ کے دور میں زہد و تقویٰ میں آپ کا

کوئی ثانی نہیں تھا۔

آپ کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ میں صحن امیر المومنین علیہ السلام کے ایک حجرہ میں پڑھا کرتا تھا۔ رات کے وقت حضرت کے خدام آپ کے حرم کے تمام دروازے بند کر دیتے تھے اور چراغ گل کر دیتے تھے۔

ایک رات دروازے بند ہونے کے بعد میں اپنے کسی کام سے نکلا تو میں نے ایک شخص کو باب قبلہ سے صحن مبارک کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ میں خاموشی سے رُک گیا تا کہ دیکھوں کہ وہ کون ہے۔ میں نے جب انہیں دیکھا تو میرے استاد محترم مقدس اردبیلی تھے۔

جب آپ صحن مبارک میں پہنچے تو آپ کے لئے دروازہ کھل گیا، آپ حرم میں داخل ہوئے میں بھی خاموشی سے آپ کے پیچھے کچھ فاصلہ رکھ کے چلتا رہا۔ مقدس اردبیلی رواق تک پہنچے اور انہوں نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ دروازہ کھل گیا اور میرے استاد محترم اندر داخل ہوئے۔ میں بھی حیران و پریشان خاموشی سے ان کے پیچھے چلتا رہا۔ الغرض آپ کے لئے حرم مطہر کے یکے بعد دیگر تمام دروازے کھلتے گئے یہاں تک کہ آپ امیر المومنین علیہ السلام کی قبر اطہر کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے اور آپ نے بڑے دھیمے لہجہ میں گفتگو شروع کی۔ میں چونکہ دور کھڑا تھا اس لئے میں ان کی گفتگو کو نہ سمجھ سکا۔

کچھ دیر بعد آپ حرم سے نکلے اور صحن میں آئے۔ آپ کے پیچھے دروازے خود بخود بند ہوتے گئے میں بھی آپ کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر آپ نے نجف سے شہر کوفہ کا رخ کیا میں آپ کے پیچھے چلتا رہا۔ جب آپ نجف شہر کے صدر دروازے پر پہنچے تو

اس وقت دروازہ بند تھا۔ لیکن جیسے ہی آپ دروازے کے قریب پہنچے تو دروازہ خود بخود کھل گیا۔ میں اس دوران آپ کے پیچھے رہا۔ آپ سفر کرتے ہوئے کوفہ پہنچے اور پھر مسجد کوفہ میں داخل ہو گئے۔ مسجد میں داخل ہو کر آپ محراب امیرالمومنین علیہ السلام پر گئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے آہستہ آہستہ کسی سے باتیں شروع کر دیں میں مسجد کوفہ میں ایک جگہ چھپا بیٹھا تھا مجھے ان کے بولنے کی مدھم آواز تو سنائی دیتی تھی لیکن مطلب سمجھ نہیں آتا تھا اور جواب میں بھی کسی کی آواز کانوں میں پڑتی تھی لیکن اسے میں سمجھ نہیں سکتا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد مقدس اردبیلی مسجد کوفہ سے باہر آئے تو میں بھی ان کے پیچھے باہر آیا۔ کوفہ سے انہوں نے نجف کا راستہ لیا اور چل پڑے۔ میں بھی ان کے پیچھے چل رہا تھا کہ اچانک مجھے چھینک آئی۔ وہ رک گئے اور مجھ سے فرمایا: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

میں نے عرض کیا کہ میں صحن امیرالمومنین علیہ السلام سے مسلسل آپ کے پیچھے چل رہا ہوں۔ آپ احسان کریں اور مجھے بتائیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام سے آپ کی کیا باتیں ہوئیں؟ پہلے تو انہوں نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا لیکن میرے شدید اصرار پر انہوں نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے وعدہ کرو میری زندگی میں یہ بات کسی سے نہیں کہو گے۔

میں نے ان سے وعدہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا:

مجھے جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو میں امیرالمومنین علیہ السلام کے حضور اپنی مشکل پیش کرتا ہوں اور آپ سے مشکل کے حل کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ آج رات بھی میں نے مولا سے ایک ایسی مشکل کے حل کے لئے رابطہ کیا تو آپ نے

فرمایا:

ہر زمانہ کا ایک امام ہوتا ہے اور لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام زمانہ سے رابطہ کریں اس وقت تمہارے امام حضرت مہدی (عج) ہیں۔ تم اپنی مشکلات کے حل کے لئے ان کی خدمت میں حاضری دو اور ان سے مشکل کشائی کی درخواست کرو۔

میں نے عرض کیا۔ آقا! میں اس وقت انہیں کہاں تلاش کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس وقت مسجد کوفہ میں موجود ہیں۔ اسی لئے میں مسجد کوفہ گیا اور میں نے امام زمانہ (عج) کے حضور اپنی مشکل پیش کی آپ نے اس کا حل بتایا۔

اس واقعہ کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ مشکلات کے حل کے لئے امام زمانہ (عج) کے حضور رجوع کریں اور ان سے اپنی انفرادی اور اجتماعی مشکلات حل کرائیں۔ (۱۱۲)

بابرکت درخت

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ بحارالانوار میں رقم طراز ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی اور دو صحابیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ بدوی خاتون ''ام معبد'' کے خیمے کے قریب پہنچے۔ کیونکہ آپؐ کے پاس آزورقہ ختم ہو چکا تھا اس لئے ''ام معبد'' سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کھانے پینے

کے لئے کچھ ہے؟

اس نے بڑی شرمندگی سے جواب دیا: ہمارے پاس کچھ بھیڑیں ہیں لیکن میرا شوہر انہیں چرانے کے لئے باہر لے گیا ہے اس وقت گھر میں ایک بیمار بھیڑ موجود ہے وہ اسے بیمار سمجھ کر یہیں چھوڑ گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ ہمیں اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دیتی ہیں؟

عورت نے عرض کیا: آپ کو اس کا اختیار ہے لیکن اس کے تھنوں سے آپ کو دودھ نہیں ملے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور آپ نے اپنا دست مبارک بیمار بھیڑ پر پھیرا تو اس کی بیماری دور ہوگئی اور اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوہا۔ آپ نے اپنا برتن دودھ سے بھرا جسے آپ نے اور آپ کے دو ساتھیوں نے اور ام معبد نے مل کر پیا۔ پھر ام معبد کے برتن بھی بھر دیئے۔

پھر آپ نے کچھ دیر تک آرام فرمایا اور بیدار ہونے کے بعد آپ نے پانی طلب کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی۔

اس خیمے کے قریب ایک کانٹے دار درخت تھا۔ آپ نے اس درخت کے پاس بیٹھ کر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور فرمایا عنقریب اس درخت کی بڑی شان ہوگی۔

ام معبد کے بھانجے کا بیان ہے ہم نے اس سے قبل آج تک کسی کو وضو کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے ساتھی تو کچھ دیر بعد وہاں سے چلے گئے دوسرے دن درخت بڑا ہو گیا اور سر سبز ہو گیا اور اس پر ٹہنیاں اور پتے لگ گئے اور وہ آلو کے برابر پھل دینے لگا۔ اس کا پھل شہد سے زیادہ لذیز اور مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔ جو بھی بیمار انسان اور حیوان اسے کھاتا تو وہ شفایاب ہو جاتا تھا اور جس جانور کا دودھ کم ہوتا تو اسے اس کا پھل دیا جاتا تو جانور دودھ زیادہ دینے لگتا۔ عرب قبائل جب وہاں سے گزرتے تو وہ شفا طلبی کے لئے اس کے پتے اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

اس درخت کی برکت سے ام معبد کے مادی اور معاشی حالات بھی بہتر ہو گئے۔ دس برس تک وہ درخت مسلسل پھل دیتا رہا اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس کی حالت بدل چکی ہے، اس کے پھل ختم ہو گئے اور پتے مرجھا گئے۔ چند دن بعد ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی وفات ہو گئی ہے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد درخت سبز تو رہا لیکن اس میں تروتازگی نہ رہی اور اس کے پھل کا وزن کم ہو گیا اور اس میں پرانا ذائقہ بھی نہ رہا۔

سال گزرتے رہے ایک دن ہم نے دیکھا کہ درخت پر نہ تو پتے تھے اور نہ ہی ثمر تھا۔ چند دنوں بعد ہمیں معلوم ہوا کہ امیر المومنینؑ کوفہ میں شہید ہو چکے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد پورے بیس برس تک لوگ اس کی چھال لے جاتے اور خدا انہیں تندرستی عطا کر دیتا۔ جب بیس سال گزرے تو ہم نے دیکھا کہ اس کی ٹہنیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ہم بہت حیران ہوئے۔ جب تاریکی چھائی تو درخت کے اردگرد سے ہمیں غم انگیز آہیں سنائی دیں کہ ہائے فرزند نبی، ہائے فرزند

وصی۔ یہ جن تھے جو فرزند رسولؐ کے غم میں مصروفِ ماتم تھے۔ پھر چند دن ہی گزرے تھے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے کو کربلا کے میدان میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا ہے۔

اس کے بعد پورا درخت خشک ہوگیا اس کی نہ تو شاخیں بچیں اور نہ ہی اس کی جڑیں باقی رہیں۔ (۱۱۳)

سورہ دہر کا نزول

بچپنے میں ایک مرتبہ حسنین کریمین علیہما السلام بیمار ہوئے اور بستر پر لیٹ گئے۔ جب رسول خداؐ نے اپنے نواسوں کی بیماری کا سنا تو آپ نے امیر المومنین اور اپنی دختر سے فرمایا کہ بچوں کی شفایابی کے لئے کوئی نذر مان لیں۔ حضرت علیؑ و بتولؑ نے منت مانی کہ اگر اللہ نے ان کے معصوم بچوں کو صحت دی تو وہ رضائے خدا کے لئے تین روزے رکھیں گے۔

کچھ دن بعد اللہ نے بچوں کو صحت دی۔ امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت بتول سلام اللہ علیہا نے چاہا کہ وہ اپنی منت پوری کریں۔ جب حسنین کریمین علیہما السلام نے والدین کی نذر کا سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی روزہ رکھیں گے۔ اس گھر میں ایک کنیز رہتی تھیں جو حضرت سیدہؑ کی تربیت یافتہ تھیں ان کا نام فضہ تھا۔

جب فضہ نے سنا کہ مالک روزے رکھنا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں بھی آپ حضرات کے ساتھ روزے رکھوں گی۔

الغرض اس گھر کے پانچ افراد نے پہلا روزہ رکھا۔ افطار کے لئے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ حضرت علی علیہ السلام کھانے کی تلاش میں بازار گئے۔ ایک تاجر نے آپ سے کہا کہ آپ کچھ اون لے جائیں اور اسے کتوائیں اس کے عوض میں آپ کو کچھ جَو دے دیتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے اس سے اون اور جَو لیے اور گھر لے گئے اور خود کام کی تلاش میں گھر سے نکل گئے۔ حضرت سیدہؑ نے اون کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ دن بھر کاتا اور اس کی مزدوری کے عوض ایک تہائی جَو اٹھائے، انہیں چکی میں پیسا، آٹا بنایا اور افطار کے لئے پانچ روٹیاں پکائیں۔

شام ہوئی۔ افطار کے وقت دستر خوان بچھایا گیا اور اس پر جَو کی پانچ روٹیوں کے ساتھ پانی رکھا گیا۔ ابھی انہوں نے لقمہ توڑنا چاہا تھا کہ دروازے پر کسی نے صدا دی: میں مسکین ہوں۔ جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے مجھے دو۔

حضرت علیؑ نے اپنے حصہ کی روٹی اٹھائی۔ حضرت سیدہؑ نے اپنے شوہر کی اتباع کی اور اپنے حصہ کی روٹی اس میں شامل کی۔ حسنین کریمین علیہما السلام نے بھی اپنے والدین کی اتباع میں اپنے حصے کی روٹیاں ان میں شامل کیں۔ اس گھرانے کی خادمہ حضرت فضہؓ نے بھی اپنے حصہ کی روٹی ان میں شامل کر دی۔

حضرت علیؑ نے پانچوں روٹیاں اٹھائیں اور مسکین کو دے دیں۔ اس گھر سے فقیر خوش خوش روانہ ہوا اور اہلبیت نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ آلِ محمدؐ ساری رات بھوکے رہے لیکن ان کے دل نورِ ایمان سے چمک رہے تھے۔

صبح کے قریب آلِ محمدؐ نے پانی سے سحری کی اور روزہ کی نیت کر لی۔ اگلے

روز جب سورج مدینہ پر اپنی گرم شعاعیں بکھیرنے لگا تو حضرت علیؑ کام کی تلاش میں مدینہ کے باہر گئے اور حضرت سیدہؑ نے دوسرے حصہ کا اون کاتا اور اس کی اجرت کے برابر ایک تہائی حصہ جَو لیے، انہیں پیسا اور روٹیاں بنائیں۔ حسنینؑ دوسرے روز کے روزے سے نحیف ہو چکے تھے اور نقاہت محسوس کر رہے تھے۔

دن ختم ہو گیا۔ آل محمدؐ نماز کی ادائیگی کے بعد دستر خوان پر بیٹھے اور پانی کے ساتھ روٹی کھانے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں دروازے پر کسی نے صدا دی کہ میں یتیم ہوں مجھے کھانا کھلاؤ۔

حضرت علیؑ نے اپنی روٹی اٹھائی۔ باقی اہلبیت یعنی فاطمہؑ اور حسنینؑ نے بھی آپؑ کی اتباع کی اور حضرت فضہؓ نے بھی اپنی روٹی ان کے ساتھ شامل فرمائی۔

(حضرت علیؑ نے پانچوں روٹیاں اٹھا کر یتیم کو دے دیں اور) آل محمدؐ نے آج دوسری بار بھی پانی سے روزہ افطار کیا اور اپنے بستروں پر چلے گئے جبکہ وہ بھوکے تھے۔

سحری میں پانی کے علاوہ ان کے دستر خوان پر کچھ نہ تھا۔ انہوں نے اللہ کی حمد کی کہ اُس نے انہیں صحت و عافیت کی نعمت عطا کی ہے اور شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں نذر ادا کرنے کی توفیق دی۔ اس دن بھی حضرت سیدہؑ نے باقی اون کاتا اور افطار کے لئے نانِ جوین کی پانچ روٹیاں بنائیں۔ گھر میں روٹی کی خوشبو پھیل گئی، اس گھر میں جس کے رہنے والوں نے اللہ کی رضا کے لئے تین دن سے کھانا چکھا نہیں تھا۔ حسنینؑ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اپنی والدہ گرامی کے ہاتھ بٹا رہے تھے۔ حالانکہ بہادر افراد بھی تین دن کی بھوک برداشت نہیں کر سکتے لیکن تعجب کا مقام

ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے بچے اسے برداشت کر رہے تھے۔ غروب آفتاب کے وقت گھر کے لوگ اپنے دسترخوان کے اطراف بیٹھے تا کہ تین دن کی بھوک کے بعد روٹی سے افطار کریں کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ کسی نے کہا: میں قیدی ہوں بھوک سے بلک رہا ہوں۔ امیر المومنینؑ نے اس پر رحم کھایا اور اس کو اپنی روٹی دیدی۔ حضرت فاطمہؑ حضرت حسنینؑ اور فضہؓ نے بھی آپ کی پیروی کی۔

قیدی خوش خوش واپس ہوا اور گھر کے لوگ بھوکے رہ گئے۔ اسی اثناء میں جبریلؑ امین رسولؐ اللہ پر یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں اللہ نے فرمایا:

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراًO (سورۃ دہر۔ ۸)۔

ترجمہ: اور وہ کھانے کی طلب کی باوجود اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اور اہلبیتؑ کی حالت کی رسول اللہؐ کو خبر دی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین علیہ السلام کے گھر تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی بیٹی اور نواسوں کے چہرے زرد تھے لیکن ان کے دل ایمان سے لبریز تھے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

(آپؐ نے یہ آیات انہیں پڑھ کر سنائیں)۔ جبریلؑ امین آسمان سے کھانا لائے جس کی خوشبو پورے ہفتہ تک گھر میں باقی رہی۔ (۱۱۴)

محبت اہل بیتؑ کا فائدہ

اعمش ایک مشہور محدث و مفسر تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں دوران سفر ایک صحرا سے گزرا تو وہاں میں نے ایک نابینا کو دیکھا جو ہاتھ بلند کر کے خدا سے عرض کر رہا تھا کہ پروردگار تجھے وسیع قبہ اور شجرہ مبارکہ اور اس کے لذیز پھل کا واسطہ، مجھے میری بینائی لوٹا دے۔ میں آگے بڑھا میں نے اس سے پوچھا کہ وسیع قبہ، شجرہ مبارکہ اور اس کے لذیز پھل سے تمہاری کیا مراد ہے؟

اعرابی نے کہا: وسیع قبہ سے میری مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے اور شجرہ مبارکہ سے میری مراد حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ہیں اور لذیذ پھل سے میری مراد حسنین کریمینؑ ہیں۔

اعمش کہتے ہیں کہ میں اس کی بے چارگی پر رویا اور افسوس کیا، اسے دو درہم دیئے اور وہاں سے چلا آیا۔

کچھ عرصہ بعد میں وہاں سے گزرا تو وہ اعرابی بینا ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے اس کی بینائی کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: مجھے آل محمدؐ نے شفا دلائی ہے۔ ایک دن میں سر راہ بیٹھا تھا اور رو رو کر خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ غیب سے ایک صدا آئی تو محبت علیؑ میں سچا ہے تو اپنی آنکھیں بند کر کے کھول۔ میں نے آنکھیں بند کیں جب چند لمحات کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو میری بینائی لوٹ آئی تھی اور میں ہر چیز کے دیکھنے کے قابل تھا۔ آواز دینے والا مجھے کہیں دکھائی نہ دیا۔ میں نے آواز دے کر کہا: میری مدد کرنے والے! تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اپنا تعارف کرا۔ مجھے

آواز سنائی دی: میں خضر ہوں، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ علیؑ کی محبت دنیا وآخرت میں نجات کا باعث ہے۔ (۱۱۵)

آسمانی بجلی

حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد ظالموں نے ان کے سر کاٹ کر نیزوں پر چڑھائے اور کوفہ سے شام تک ان کی تشہیر کی۔

آل محمدؐ کے قیدیوں کا قافلہ جب شام کے صدر دروازے کے پاس پہنچا تو پانچ دشمن آل محمد عورتیں کوٹھے کی چھت پر کھڑی تھیں۔ انہوں نے اہل لشکر سے پوچھا کہ ان میں حسینؑ بن علیؑ کا سر کون سا ہے؟

ایک ظالم نے اشارہ سے بتایا کہ یہ حسینؑ کا سر ہے۔ ان عورتوں نے پتھر اٹھائے اور سرِ حسینؑ پر مارے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے جب یہ ظلم دیکھا تو آپ نے آسمان کی طرف سر بلند کر کے کہا: پروردگار! دوزخ کی آگ سے قبل انہیں آگ سے جلا اور ان کے مکان کو گرا دے۔ اس وقت آسمان سے بجلی گری اور وہ مکان گر پڑا جس میں وہ پانچوں خبیث عورتیں بھی ہلاک ہوگئیں۔

حقیقی معالج

محدث نوری رقم طراز ہیں کہ یہ واقعہ شیخ عالم محمد باقر سلطان آبادی کے ساتھ پیش آیا۔آپ انہی کی زبانی یہ واقعہ سنیں:

جب میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے شہر ''بروجرد'' آیا تو میرے بائیں آنکھ میں شدید درد اٹھا۔آشوب چشم کے ساتھ سفیدی آنے لگی میں نے بروجرد میں کافی علاج معالجہ کرایا لیکن لاحاصل۔

پھر آنکھ کے علاج کے لئے میں سلطان آباد گیا اور متعدد ماہرین چشم کے پاس گیا اور ان سے علاج کرایا لیکن کہیں سے بھی صحت نہ ملی۔کچھ ڈاکٹروں نے تو مجھے لاعلاج قرار دیا جب کہ بعض ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ کو چھ ماہ تک مسلسل علاج کرانا ہوگا اس کے بعد تھوڑا بہت افاقہ ہوگا۔

میری آنکھ پر ورم آ گیا،میری آنکھ کی سیاہی روز بروز کم ہونے لگی،درد کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آتی تھی۔بیماری کی اس شدت اور مایوسی میں ایک دوست میرے پاس آیا اس نے کہا کہ میں حضرت سید الشہداء کی زیارت کے لئے کربلا جارہا ہوں سوچا کہ سفر سے پہلے آپ سے الوداع کرلوں۔اس وقت میرے دل میں ایک عجیب خیال پیدا ہوا کہ میں کب تک درد و رنج اٹھاتا رہوں اس کی بجائے حقیقی معالج حضرت امام حسینؑ کے پاس کیوں نہ جاؤں؟

میں اپنے معالج کے پاس گیا تا کہ وہ مجھے سفر کی اجازت دیدے۔میرے ڈاکٹر نے کہا:اس حالت میں سفر تمہارے لئے انتہائی مُضر ہے۔اگر تم نے سفر کیا تو

کربلا پہنچنے سے قبل اندھے ہو جاؤ گے۔ میں نے اس کے مشورہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ میرے تمام دوست اور خیر خواہ جس نے بھی میرے متعلق سنا تو اُس نے مجھے سختی سے منع کیا اور کہا سفر تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔

میں نے دوستوں سے کہا کہ جب مرنا ہی ہے تو راہِ کربلا میں کیوں نہ مروں؟ بہر حال میں قافلہ کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم پہلی منزل پر پہنچے تو میری آنکھ کے درد میں اضافہ ہو گیا۔ بعض دوستوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اب بھی وقت ہے آپ واپس چلے جائیں۔

پورے قافلہ میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اس نے مجھے کہا: میں نو سال تک دل کا مریض رہا۔ ہر جگہ سے علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار میں حضرت امام حسینؑ کو معالج حقیقی سمجھ کر کربلا گیا۔ حرم مطہر میں اپنی شفایابی کے لیے دعا مانگی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تکلیف اور مشقت کے بغیر صحت عطا کی۔ پس خالقِ باری پر توکل کرو۔

اس کی باتوں سے مجھے سہارا ملا میں نے واپس جانے سے انکار کر دیا جب ہم دوسری منزل پر پہنچے تو درد کی شدت میں اتنا اضافہ ہوا کہ میں ساری رات درد سے تڑپتا رہا۔ نیند اچاٹ ہو گئی۔

رات کے پچھلے پہر مجھے سکون سا محسوس ہوا اور میری آنکھ لگ گئی۔ عالمِ خواب میں مجھے حضرت زینب الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی زیارت ہوئی۔ بی بی نے اپنی چادر کا پلو میری بائیں آنکھ سے لگایا۔

اس کے بعد جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ درد کا نام و

نشان تک نہیں ہے البتہ میں نے ڈر کی وجہ سے اپنی آنکھ پر پڑی ہوئی پٹی کو ہٹانا مناسب نہ جانا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں اب درد نہیں محسوس کر رہا لیکن کسی نے اس بات کا اعتبار نہیں کیا۔

ہم نے سفر شروع کر دیا۔ کافی دیر سفر کرنے کے بعد میں نے پٹی کو ہٹایا تو مجھے ہر چیز صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میری دونوں آنکھیں برابر کام کر رہی تھیں۔ میں نے فرطِ مسرت سے چیخ کر قافلہ والوں سے کہا: دوستو! آؤ اور میری آنکھوں کو دیکھو۔

تمام قافلہ والے آئے اور انہوں نے بڑی توجہ سے میری آنکھوں کا معائنہ کیا اور مجھ سے کہا کہ تمہاری کون سی آنکھ خراب تھی؟

میں نے بتایا کہ میری بائیں آنکھ خراب تھی اور وہ ورم کر چکی تھی اور سیاہ قرنیہ روز بروز کم ہو رہا تھا۔ تمام ساتھیوں نے مجھ سے کہا: تمہیں مبارک ہو اب تمہاری آنکھ بالکل تندرست ہے اور اس میں آشوب یا کسی دوسری بیماری کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے اہل بیتؑ اور امام حسین علیہ السلام کی برکت سے تمہاری آنکھ کو شفا دی ہے۔ (۱۱۶)

جھوٹی قسم کھانے والے کا انجام

ایک زائر کربلا کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوالفضل العباسؑ ابن امیر المومنین علیہ السلام کے حرم میں بیٹھا تھا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ باہر سخت گرمی پڑ رہی تھی اسی لئے کوئی اکا دُکا زائر ہی دکھائی دیتا تھا۔

اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ دو آدمی حرم مطہر میں داخل ہوئے ایک بوڑھا تھا اور دوسرا جوان تھا۔ بوڑھے نے جوان سے کہا: اگر تو نے چوری نہیں کی تو حضرت ابوالفضل کے نام کی قسم اٹھا۔

میں ان کے پاس گیا اور ان سے معاملہ دریافت کیا۔ بوڑھے نے کہا کہ اس نے میرے بٹوے سے ایک سو دینار نکالے ہیں اور اب یہ اپنی چوری تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہے۔ اس کے پاس دو راستے ہیں پہلا راستہ یہ ہے کہ میری رقم مجھے لوٹا دے اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابوالفضلؑ کی قسم کھا کر کہے کہ اس نے چوری نہیں کی ہے۔

میں نے جوان سے کہا: اگر تو نے چوری کی ہے تو اس کی رقم واپس کر دے خبردار جھوٹی قسم نہ کھانا۔

جوان نے کہا: میں نے اس کی چوری نہیں کی ہے۔ البتہ میں قسم کھانے پر تیار ہوں۔

پھر جوان نے کہا میں قمر بنی ہاشم کے حق کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس شخص کی رقم نہیں اٹھائی۔

اس وقت ہم نے ایک گرجدار آواز سنی اور ہمیں یوں لگا جیسے کہ کسی نے جوان کے منہ سے کسی ٹھوس چیز کو پوری قوت سے ٹکرایا ہو۔ نوجوان بے حس و حرکت ہو کر گر چکا تھا۔ بوڑھا ادھر ادھر چلا گیا۔ حضرت کے خدام دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے مردہ جوان کی لاش کو باہر نکال دیا۔

جی ہاں، ابوالفضل العباسؑ کا غضب خدا کے غضب کا حصہ ہے۔

ٹوٹی ہوئی ناک

نجف اشرف میں رہائش پذیر ایک عالم دین کا بیان ہے کہ میرے والدین اصفہان شہر میں رہتے تھے اور میں ان سے خط وکتابت کے ذریعہ سے رابطہ رکھتا تھا۔

کافی عرصہ تک مجھے والدین کی طرف سے کوئی خط موصول نہ ہوا۔ اس دوران میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میری ماں مرچکی ہے اور رشتہ دار اس کی تجہیز وتکفین کے انتظامات میں لگے ہوئے ہیں اور چند افراد میری ماں کو پیٹ رہے ہیں جس سے میری ماں کی ناک ٹوٹ گئی ہے اور اس سے خون جاری ہے۔

عالم خواب میں میں آگے بڑھا اور مارنے والوں سے کہا: تم لوگ میری ماں کو کیوں مار رہے ہو؟

مارنے والوں نے کہا: وہ نماز کو اہمیت نہیں دیتی تھی اور اس نے ماہِ رمضان کے روزے نہیں رکھے تھے۔ اسی لئے ہم اسے عذاب دے رہے ہیں۔

میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے میری ماں کی وفات کی اطلاع ملی اور یہ بھی بتایا گیا کہ وہ اس کے جنازے کو دفن کرنے کے لئے کربلا لا رہے ہیں۔ چند دنوں بعد میری ماں کا جنازہ کربلا پہنچا۔ میں نے نماز جنازہ کے بعد دفن کرنے سے قبل تابوت کھول کر ماں کا چہرہ دیکھا تو مجھے اس کے کفن پر خون کے داغ دکھائی دیئے اور میں نے غور سے دیکھا تو اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی۔

میں نے جنازہ لانے والوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: تیری ماں کے ناک کی ہڈی ٹوٹنے میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم گدھوں پر بہت سے

جنازے لے کر آرہے تھے کہ راستے میں گدھے ایک دوسرے سے لڑ پڑے۔ اسی لڑائی کے دوران تیری ماں کا تابوت گدھے کی پشت سے گرا اور اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

جب میں نے جنازہ لانے والے سے یہ بات سنی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میرا خواب سچا تھا اور میں نے یہ بھی جان لیا کہ عالمِ برزخ میں میری ماں کو عذاب دیا جارہا ہے۔

میں حضرت عباس علمدارؑ کے حرم اطہر میں گیا۔ دل کی گہرائیوں سے حضرت سے توسل پیدا کیا اور عرض کیا کہ آپ میری ماں کی شفاعت فرمائیں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی والدہ، کی نماز روزں کی قضا کے لئے کوئی نہ کوئی ''اجیر'' مقرر کروں گا۔

اس توسل کو دو ماہ گزر گئے پھر دو ماہ بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میری ماں کو عذاب دیا جارہا ہے۔

میں نے عذاب دینے والوں سے کہا: کیا قمر بنی ہاشم نے ضمانت نہیں دی تھی؟

انہوں نے کہا: جی ہاں، انہوں نے ضمانت دی تھی لیکن تو نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔

میں نیند سے بیدار ہوا اور میں نے ایک شخص کو اپنی والدہ کی نماز روزے کے لیے اجیر مقرر کیا۔ (۱۱۷)

متکلمہ بالقران

بحارالانوار میں علامہ مجلسی نے ''قشیری'' کی زبان یہ واقعہ نقل کیا۔

قشیری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج کے لئے جارہا تھا کہ قافلہ سے بچھڑ گیا۔ مجھے ایک خاتون صحرا میں دکھائی دیں وہ بھی میری طرح سے قافلہ سے بچھڑی ہوئی تھیں۔

قشیری: خاتون آپ کون ہے؟

بجائے اس کے کہ خاتون مجھے جواب دیتیں انہوں نے مجھے اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ گفتگو سے پہلے سلام کرنا چاہئے میرے سامنے یہ آیت پڑھی۔ و اذا جآئک الذین یؤمنون بایاتنا فقل سلام علیکم ۔(الانعام۔ ۵۴)۔

''جب تمہارے پاس ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے آئیں تو آپ انہیں ''سلام علیکم'' کہیں''۔

قشیری: (سلام کرنے کے بعد) آپ کہاں جارہی ہیں؟

خاتون: وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ۔(آلِ عمران آیت ۹۷) ترجمہ: جسے استطاعت ہوا سے خدا کی رضا کے لئے حج کرنا چاہیے۔

چنانچہ میں سمجھ گیا کہ وہ حج کے لئے مکہ جارہی ہیں۔ پھر میں نے پوچھا: آپ کہاں سے آرہی ہیں؟

خاتون:''اولئک ینا دون من مکان بعید'' (فصلت. ۴۴).

''انہیں بہت دور سے بلایا جاتا ہے''۔

چنانچہ میں سمجھ گیا کہ وہ بہت دور سے آرہی ہیں پھر میں نے پوچھا:

آپ کو سفر کرتے ہوئے کتنے دن ہوئے ہیں؟

خاتون:'' ولقد خلقنا السموات والارض وما بینهما فی ستة ایام وما مسنا من لغوب''(سورۂ ق،۳۸)

''ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔اور ہم کو کوئی تکان نہیں ہوئی''۔

مجھے پتہ چل گیا کہ ان کو سفر کرتے چھ دن ہوئے ہیں۔پوچھا: کیا آپ کو اس وقت بھوک محسوس ہورہی ہے۔

خاتون: وماجعلنا هم جسداً لایا کلون الطعام وما کانوا خالدین ۔(سورۃ الانبیا۔۸)

''ہم نے ان کو ایسے اجسام نہیں دیئے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔اس آیت کو سننے سے میں سمجھ گیا کہ وہ بھوکی ہیں تو میں نے ان کو کچھ کھانا کھلایا اور جب بی بی نے کھانا کھا لیا تو میں نے کہا: اب جلدی چلیں تا کہ قافلہ سے مل جائیں۔تو انہوں نے میری بات کے جواب میں یہ آیت پڑھی''۔

لایکلف الله نفسا الا وسعها۔(سورۃ البقرہ۔۲۸۶)

''خدا کسی جاندار کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

میں سمجھ گیا کہ خاتون تھکی ہوئی ہیں تیز چلنے کے قابل نہیں ہیں۔اسی لئے میں نے انہیں کہا کہ آپ میرے ساتھ میرے اونٹ پر سوار ہو جائیں تا کہ میں آپ کو قافلہ تک پہنچا

دوں۔

خاتون: لو کان فیھا آلھۃ الا اللہ لفسدتا فسبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون۔(الانبیا۔۲۲)

''اگر زمین و آسمان میں خدا کے علاوہ اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔تو یہ لوگ جو اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں وہ اس سے منزہ ہے''۔

اس آیت سے میں سمجھ گیا کہ نامحرم مرد اور عورت کو نہیں چاہیے کہ اونٹ پر ایک ساتھ سواری کریں۔چنانچہ میں اترا اور خاتون سے کہا کہ آپ سوار ہو جائیں۔

خاتون سوار ہوئیں تو انہوں نے دعائے سفر ''سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنالہ مقرنین'' (سورۂ زخرف۔۱۳) کی تلاوت کی۔''منزہ ہے وہ جس نے اس کو ہمارا مطیع کر دیا حالانکہ ہم کو اس کی طاقت نہ تھی''۔

ہم نے سفر کیا آخر کار ہم قافلہ سے مل گئے۔میں نے خاتون سے پوچھا کیا اس قافلہ میں آپ کا کوئی عزیز بھی ہے؟

جواب میں خاتون نے یہ چار آیات پڑھیں۔

یاداود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض.(ص. ۲۶.)

یاموسیٰ انی انااللہ (القصص. ۳۰.)

یایحییٰ خذالکتاب بقوۃ و آتیناہ الحکم صبیاً.(مریم. ۱۲)

وما محمد الارسول قدخلت من قبلہ الرسل. (آلِ عمران. ۱۴۴.)

جب میں نے یہ نام سنے تو میں نے داؤد، موسیٰ، یحییٰ اور محمد کے نام کی صدا دی۔میری صدا سن کر چار جوان میرے پاس آئے۔انہوں نے ہمیں سلام کیا۔

خاتون نے ان سے فرمایا: استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ (القصص۔۲۶)

''اسے اجرت دیں۔ کہ جن کو بھی آپ اجرت پر رکھیں وہ قوی اور امین ہوں''۔

جوانوں نے مجھے کچھ اجرت دی۔ خاتون کی نظر میں وہ اجرت کم تھی اسی لئے اس نے فوراً یہ آیت پڑھی۔ "واللہ یحب المحسنین" (آل عمران۔۱۳۴۔)

''اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اس طرح سے اس خاتون نے جوانوں کو یہ پیغام دیا کہ اس شخص نے مجھ سے نیکی کی ہے لہذا اسے کچھ اور اجرت ملنی چاہیے۔

جوانوں نے مجھے کچھ اور اجرت دی۔

میں نے جوانوں سے پوچھا کہ یہ خاتون تمہاری کیا لگتی ہیں؟

جوانوں نے کہا: یہ ہماری ماں ہیں۔

میں نے کہا: مجھے اپنی والدہ کا تفصیلی تعارف کراؤ۔

جوانوں نے کہا: یہ ہماری والدہ حضرت فضہؓ ہیں اور یہ حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی کنیز ہیں۔ انہیں بیس سال ہوئے ہیں کہ یہ قران کے علاوہ اور کوئی گفتگو نہیں کرتیں۔

یہ مقام و منزلت اہل بیت سے اتصال کا نتیجہ ہے۔

قارئین کرام! اس سے متصل ایک اور روایت بھی سن لیں۔

ایک شخص بیان کرتا ہے کہ میں نے سفر حج میں ایک خاتون کو دیکھا جو کہ کمزور ناقہ پر سوار تھی اور وہ قافلہ سے بچھڑ چکی تھی۔ راستہ میں ناقہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ گئی۔ اس وقت اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا:

حضرت جونؑ میدان جہاد میں گئے اور انہوں نے پچیس (۲۵) دشمنان آل محمدؑ کو قتل کیا اور وہ میدان جنگ میں کہتے تھے کہ محبتِ حسینؑ میری جنت ہے۔

پچیس افراد کو قتل کرنے کے بعد جونؑ شہید ہو گئے۔ جب امام جونؑ کے جنازہ کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: پروردگار! اس کے چہرے کو سفید کر۔ اس کے جسم میں خوشبو پیدا کر اور اسے قیامت کے دن آل محمدؑ اور صالحین کے ساتھ محشور فرما۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

واقعہ عاشورا کے بعد لوگ شہداء کو دفن کرنے گئے تو دس دن گزرنے کے بعد بھی لوگوں کو جونؑ کی لاش سے مشک و عنبر کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ (۱۱۹)

بُریرؑ ہمدانی کا مباہلہ

حضرت بُریرؑ بن خضیر ہمدانی کوفہ کے مشہور قاری قران تھے وہ اتنے بڑے قاری تھے کہ لوگ انہیں ''سید القراء'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ تفسیر قران کے بڑے ماہر تھے اور مسجد کوفہ میں قران مجید پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت بُریرؑ کو امیر المومنین علیہ السلام کی صحبت کا شرف بھی حاصل تھا آپ شب زندہ دار تھے اور آپ کے متعلق مشہور تھا کہ آپ فجر کی نماز، عشاء کے وضو سے پڑھا کرتے تھے۔

جب حضرت بُریرؑ نے سنا کہ امام حسینؑ کوفہ کی طرف آرہے ہیں تو انہوں

نے اپنا ساز و سامان جمع کیا اور امام حسینؑ کے قافلے میں شریک ہو گئے اور آپ کے ساتھ کربلا میں وارد ہوئے۔ روز عاشور (جب خیام حسینؑ سے العطش کی صدائیں آرہی تھیں تو) حضرت بریرؓ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ اجازت دیں تو میں ابن سعد کے پاس جاؤں اور اصحاب اور بچوں کے لئے پانی لے آؤں؟

امامؑ کی طرف سے اجازت ملی۔ بریرؓ ہمدانی ابن سعد کے خیمہ کے دروازے پر گئے اور دربان سے کہا: ابن سعد سے کہہ دو کہ بریر ہمدانی ایک اہم کام کے لئے آیا ہے۔

ابن سعد نے انہیں اسی وقت اندر بلایا۔ بریر خیمہ سے داخل ہوئے اور سلام دعا کیے بغیر خیمہ میں جا کر بیٹھ گئے۔

ابن سعد نے کہا: بریر! تم نے سلام نہیں کیا، کیا تم ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے؟

حضرت بریرؓ نے کہا: اگر تو مسلمان ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ کا اطاعت گزار ہے تو تو نے اولاد رسولؐ پر پانی کیوں بند کر دیا ہے۔ جب کہ فرات کے پانی سے تو جانور بھی استفادہ کر رہے ہیں؟

ابن سعد نے چند لمحات تک سر جھکائے رکھا پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا: ان لوگوں نے مجھ سے "رے" کی حکومت کا وعدہ کیا ہے اور میں "رے" کی حکمرانی سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر بریرؓ وہاں سے اٹھے اور امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: مولا! ابن سعد کو "رے" کی حکومت کی خواہش ہے وہ پانی دینے پر آمادہ نہیں ہے۔

پھر بریر میدان جنگ میں آئے ان کے مقابلہ پر ایک دشمن آل محمدؐ آیا جس کا نام ''یزید بن معقل'' تھا۔ اس نے بریر سے کہا: بریر! تم قاری قران ہو۔ تم نے حسینؑ کا ساتھ کیوں دیا؟ مجھے تمہاری وہ بات بھی یاد ہے جو تم ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ معاویہ باطل پر تھا اور علیؑ حق پر تھے۔

بریرؓ نے کہا: میں نے تو پوری زندگی یہی کہا ہے کہ حق علیؑ اور اولاد علیؑ کے ساتھ ہے معاویہ اور اس کی اولاد باطل پر ہے اور اگر تجھے اس حقیقت سے انکار ہے تو پھر آؤ مجھ سے مباہلہ کرلو ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ حق والے کے ہاتھ سے قتل ہو۔

یزید بن معقل نے کہا: یہ مباہلہ مجھے قبول ہے۔ حضرت بریرؓ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہا: خدایا اگر میرا حریف سچا ہے تو میری موت اس کے ہاتھ پر قرار دے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے میرے ہاتھوں قتل کرا۔ اس کے بعد دونوں میں مقابلہ شروع ہوا۔ بریر نے یزید بن معقل کے سر پر تلوار کا ایسا وار کیا جس نے اس کے سر کو کاٹتے ہوئے اس کے دھڑ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور یوں ایک جھوٹا شخص واصل جہنم ہوا اور ایک اہل حق کو فتح نصیب ہوئی۔ (۱۲۰)

ایثار و قربانی کے مجسمے

شہدائے کربلا کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی تعداد بہتر تھی۔ لیکن مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ زمین کربلا پر وارد ہوئے تھے تو آپ کے ساتھ پانچ سو سے لے کر ایک ہزار تک افراد موجود تھے۔ ان کی اکثریت نے نومحرم الحرام کی

شب امام علیہ السلام کو چھوڑ دیا تھا۔

حضرت سکینہ بنت الحسین علیہ السلام بیان کرتی ہیں کہ اس رات میرے والد ماجد نے سب لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کل یعنی دس محرم الحرام کو میرے تمام ساتھی مارے جائیں گے۔ لہذا میں چراغ بجھا رہا ہوں جسے جانا ہو وہ چلا جائے۔

پھر جب چراغ روشن ہوا تو میں نے دیکھا لوگ دس دس اور پانچ پانچ کی ٹولیوں میں میرے والد کو چھوڑ کر جا رہے تھے۔ آخر میں بہت قلیل تعداد رہ گئی۔

شہدائے کربلا میں سترہ شہداء کا تعلق حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے اپنے خاندان سے تھا۔ ان میں آپ کے بھائی، بھتیجے اور آپ کی اولاد شامل تھی۔ بتیس شہدا وہ ہیں جو دشمن کی فوج سے جدا ہو کر آپ کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے پرانے وفادار صحابہ کی تعداد تیئیس افراد پر مشتمل تھی اور یہ لوگ تھے جو اپنے دور کے محدث تھے اور انہوں نے رسول خدا اور امیر المومنین علیہما السلام سے بہت سی احادیث نقل کی تھیں۔

حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے متعلق فرمایا تھا:

خدا کی قسم! میں نے اپنے صحابہ سے کسی کے صحابہ کو افضل اور وفادار نہیں پایا۔

(آپ نے ان الفاظ سے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ کے ساتھ شہید ہونے والے صحابہ بدر واحد کے شہدا سے افضل تھے اور انبیاء ماسبق کے صحابہ سے بھی افضل تھے۔)

کون سا ایسا گھرانہ ہے جنہوں نے میرے گھرانے سے بڑھ کر صلہ رحمی کا حق ادا کیا ہو؟ اور دنیا میں ایسا کون سا بھائی ہے جو قمر بنی ہاشم کی طرح سے بھائی سے وفا کرتا ہو؟

قاسمؑ بن حسنؑ کی طرح سے کس کا بھتیجا ہے؟ اور میرے فرزند علیؑ اکبر کی طرح سے کس کا فرزند ہے؟ جنہوں نے اپنے بھائی، اپنے چچا اور اپنے باپ کے لئے خود کو قربان کر دیا۔

اہل یقین کا ایک نمونہ

خراسان کا رہنے والا ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: مولا! آپ اہل بیتؑ اہل رافت و رحمت ہیں۔ اس وقت خراسان میں ایک لاکھ جنگی جوان آپ کی مدد کے لئے آمادہ و تیار ہیں۔ وہ آپ کو حکومت دلانے کے خواہش مند ہیں مگر آپ نے بیٹھ رہنے کو ہی ترجیح دی ہے اور آپ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے بڑے دھیمے لہجہ میں اسے جواب دیا: خراسانی! بیٹھ جاؤ، ہمارے پاس مددگار نہیں ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے نوکر سے فرمایا کہ تنور جلاؤ۔ جب تنور اچھی طرح سے جلنے لگا تو آپ نے خراسانی سے فرمایا: اٹھو اور اس تنور میں بیٹھ جاؤ۔ خراسانی آپ کا فرمان سن کر پریشان ہو گیا اسے اس بات کی توقع نہ تھی۔ اس نے کہا: فرزند رسول! آپ مجھے آگ کا عذاب نہ دیں۔ مجھے معاف کر دیں خدا آپ کو معاف فرمائے۔ اس اثنا میں مولا کا ایک شاگرد حاضر ہوا جس کا نام ''ہارون مکی'' تھا اس کا جوتا اس کے ہاتھ میں تھا اس نے آپؑ کو دیکھا تو کہا: السلام علیک یا بن رسول اللہ۔

امام علیہ السلام نے اسے سلام کا جواب دیا اور اس سے فرمایا: اپنا جوتا زمین پر رکھ دو

اور تنور میں جا کر بیٹھ جاؤ۔

ہارون مکی نے جلدی سے جوتا رکھا اور خود تنور میں جا کر بیٹھ گیا۔ امام علیہ السلام نے خراسان کے حالات پر خراسانی سے باتیں شروع کر دیں۔ کچھ دیر بعد آپؑ نے خراسانی سے فرمایا: جاؤ دیکھو تنور کے اندر کیا ہے؟ خراسانی بڑی تیزی سے تنور کی طرف آیا اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہارون آگ کے شعلوں میں بڑے سکون سے بیٹھے تھے بعد میں وہ صحیح سالم حالت میں آگ سے باہر آئے اور ان دونوں کو سلام کیا۔

امام علیہ السلام نے خراسانی سے دریافت فرمایا: سناؤ، تمہارے خراسان میں اس جیسے ہمارے مددگار کتنے ہیں؟

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کب قیام کرنا ہے جب تک اس جیسے پانچ مومن ہمارے پاس جمع نہیں ہوتے اس وقت تک ہم باطل پر خروج نہیں کریں گے۔ (۱۲۱)

مقدادؓ فولادی دل کے مالک

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وفات رسولؐ کے بعد صرف تین افراد ہی حق پر پورے طور سے ثابت قدم رہے۔ وہ سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ تھے۔

راوی نے کہا: عمار بن یاسرؓ کا کیا بنا تھا؟

آپ نے فرمایا: وہ حق سے تھوڑا سا منحرف ہوا تھا لیکن بعد میں اس نے توبہ

کرلی تھی اور حق سے الحاق کرلیا تھا۔

پھر آپ نے فرمایا: اگر تم کسی ایسے شخص کو معلوم کرنا چاہو جس کے دل میں کبھی شک داخل نہ ہوا ہو تو وہ مقدادؓ تھا کہ اس کا دل فولاد کی مانند مضبوط تھا۔ اور سلمانؓ تو انہوں نے دل میں سوچا تھا کہ امیر المومنینؑ کے پاس اسم اعظم ہے اس کے باوجود آپ اپنے دشمنوں کے خلاف بددعا کرکے انہیں ہلاک کیوں نہیں کردیتے۔ (١٢٢)

عمار کوفی کی تواضع

عمار کوفی (بحار الانوار ج ٦٥ کے مطابق عمار دہنی) امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم القدر شاگردوں میں سے تھے وہ کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔ کسی مقدمہ کے سلسلے میں انہیں قاضی کے پاس جانا پڑا۔ جب انہوں نے اپنی گواہی ریکارڈ کرانی چاہی تو قاضی نے ان سے کہا کہ تمہاری گواہی ناقابل قبول ہے کیونکہ تم شیعہ ہو۔ جب عمار نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں ابر بہار کی طرح برسنے لگیں۔

قاضی عمار کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ عالم و زاہد ہے۔ جب اس نے عمار کو یوں بے ساختہ روتے ہوئے دیکھا تو وہ متاثر ہوا اور اس نے عمار سے کہا: اگر میری بات سے تمہیں تکلیف پہنچ رہی ہے تو تم تشیع سے بیزاری کا اعلان کردو پھر میں تمہاری گواہی قبول کرلوں گا۔

عمار نے کہا: میں اپنے اور تیرے لئے رو رہا ہوں۔ میں اپنے لئے تو اس

لئے رو رہا ہوں کہ تو نے مجھے ایک عظیم مقام کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ میں اپنے آپ کو اس منزلت کا مستحق نہیں سمجھتا۔ تو نے مجھے ''رافضی'' کہا ہے۔ لیکن میں رافضی نہیں ہوں کیونکہ رافضی وہ ہوتا ہے جو باطل کو چھوڑ کر حق کی پیروی کرے۔ جب کہ مجھ میں یہ عظیم وصف موجود نہیں ہے۔ تو نے مجھے شیعہ کہا ہے جب کہ شیعانِ علیؑ کا تو بہت بڑا مقام ہے اور میں تو اس سے بہت دور ہوں۔

میں تیرے حال پر اس لئے روتا ہوں کہ تو ان عظیم و برتر مناصب کا مذاق اڑا رہا ہے۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو عمار کی گفتگو کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: عمار کی تواضع اور اس کی اس گفتگو کی وجہ سے اللہ نے اس کے گناہ معاف کر دیئے ہیں اگر اس کے گناہ آسمانوں اور زمین سے بھی زیادہ ہوتے تو بھی اللہ اس گفتگو کی وجہ سے انہیں نہ صرف معاف کرتا بلکہ اس کی نیکیوں میں ہزار گنا اضافہ فرماتا۔ (۱۲۳)

تین کامل الایمان افراد

حمران بن اعین کا تعلق امام محمد باقر علیہ السلام کے عظیم القدر شاگردوں سے تھا۔

ایک دن اس نے امام علیہ السلام سے عرض کیا: میری جان آپ پر قربان ہم شیعہ اتنی قلیل تعداد میں ہیں کہ اگر ایک بکرا ذبح کر کے پکایا جائے تو وہ ہم سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک عجیب بات ہے لیکن میں تجھے اس سے بھی زیادہ

عجیب بات سناتا ہوں۔ وفات رسول کے بعد سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ کے علاوہ باقی لوگ جادہ حق پر پورے طور پر قائم نہ رہ سکے تھے۔

حمران نے کہا: مولا! آپ عمار بن یاسرؓ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

امام نے فرمایا: خدا کی ان پر رحمتیں ہوں۔ انہوں نے امام علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور راہ حق میں شہادت پائی تھی۔

حمران نے اپنے دل میں سوچا کہ عمارؓ کو شہادت کا درجہ ملا تھا اسی لئے وہ سب سے اعلیٰ ترین درجہ کے حامل ہیں۔

امام علیہ السلام نے اسی وقت اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: اگرچہ وہ شہید ہوئے تھے لیکن انہیں وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ان تینوں کو حاصل ہے۔ (۱۲۴)

رشید ہجری، کوہِ استقامت

حضرت رشیدؓ ہجری حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے مخلص اور باوفا صحابی تھے۔

ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ''میری شہادت کے بعد (ابن زیاد) تجھے گرفتار کرے گا اور تجھے مجھ پر سب وشتم کرنے کا حکم دے گا۔ اس وقت تو کیا کرے گا؟

حضرت رشیدؓ نے عرض کیا: اس کا حکم ماننے سے میں موت کو گلے لگانے کو ترجیح دوں گا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو مجھے سب وشتم نہیں کرے گا تو وہ لوگ

تیرے ہاتھ پاؤں اور زبان کو کاٹ دیں گے پھر تجھے قتل کر دیں گے۔

رشید نے کہا: میں راہ خدا میں صبر کروں گا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو نے صبر کیا تو پھر قیامت کے دن میرے ساتھ محشور کیا جائے گا۔

(امیر المومنین علیہ السلام کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی)۔ کچھ سال گزرنے کے بعد ابن زیاد کے سپاہیوں نے رشید کو گرفتار کیا اور انہیں ابن زیاد لعین کے پاس لے گئے۔

ابن زیاد نے ان سے کہا: تیرے مولا نے میرے متعلق تجھے کیا خبر دی تھی؟

حضرت رشید نے کہا: میرے مولا نے مجھے بتایا تھا تو میرے ہاتھ، پاؤں اور زبان کو قطع کرے گا پھر مجھے قتل کرے گا۔

ابن زیاد نے کہا: میں تجھے آزاد کرتا ہوں تا کہ تیرے مولا کا جھوٹ ثابت ہو سکے (نعوذ باللہ) پھر اس نے رشید کی رہائی کا حکم جاری کر دیا۔

رشید جیسے ہی دار الامارہ سے باہر آئے تو کچھ خوشامدیوں نے ابن زیاد سے کہا: تو نے رشید کو رہا کر کے غلطی کی ہے یہ علیؑ بن ابی طالبؑ کا بہت بڑا مداح ہے یہ لوگوں کو تیرے خلاف برانگیختہ کرے گا۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے دوبارہ گرفتار کیا جائے۔ رشید کو گرفتار کر کے لعین کے سامنے لایا گیا تو اس نے جلاد سے کہا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ لیکن اس کی زبان کو رہنے دو تا کہ علیؑ کی پیشین گوئی غلط ثابت ہو سکے۔

جلاد نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ انہیں موت وحیات کی درمیانی

حالت میں ڈال دیا گیا۔ان کی بیٹی آئی اور باپ کے اوپر نظر کی اور کہا: ابا جان! ان لوگوں نے آپ سے یہ کیسا ظالمانہ سلوک کیا؟

حضرت رشید ہجری نے فرمایا: بیٹی! پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میں اس وقت آرام محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے میرے گھر لے چلو۔

لوگ انہیں دارالامارہ سے اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ رشید ہجری نے کہا کہ لوگوں میں اعلان کر دو جس کو امیر المومنین علیہ السلام کے اسرار جاننے کا شوق ہو تو وہ آئے اور مجھ سے امیر المومنین علیہ السلام کے اسرار اور حالات سنے۔

لوگ بڑی تعداد میں ان کے گھر میں جمع ہوئے۔ رشید لوگوں کے سامنے امیر المومنین علیہ السلام کی حقانیت بیان کرنے لگے۔

حکومت کے رپورٹروں نے ابن زیاد کو رشیدؒ کی رپورٹ کی۔اس لعین نے حکم جاری کیا کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے تا کہ وہ لوگوں کو ابوتراب کے فضائل نہ سنا سکے۔(اس کے حکم پر عمل کیا گیا)۔

اسی رات ان کی زندگی تمام ہوئی۔

رشید نے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ محشور ہونے کے لئے اتنی بڑی قربانی دی اور ہمیشہ کے لیے اہل عشق کی صف میں اپنا نام لکھوالیا۔(۱۲۵)

حضرت حُر کا تازہ جسم

ایران کا بادشاہ اسماعیل صفوی کربلا گیا تو اس نے حکم دیا کہ روضہ سید الشھداء کی از سر نو تعمیر و آرائش کی جائے۔ پھر اس نے حضرت حُر شہید کا روضہ بنانے کا حکم دیا۔ حضرت حُر کی قبر کربلا سے چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ حضرت حُر کی شہادت کے بعد ان کے قبیلہ کے افراد آئے تھے اور انہوں نے ان کی لاش اٹھا کر موجودہ جگہ پر دفن کی تھی۔

جب اسماعیل صفوی نے حضرت حُر کے روضے بنانے کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے کہا حُر ابتدا میں امام حسین علیہ السلام کے دشمن تھے اس لئے ان کا روضہ نہیں بننا چاہیے۔ اس کے برعکس زیادہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت حُر نے توبہ کر لی تھی اور امام علیہ السلام کی نصرت میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے لہذا وہ امام کے صحابہ میں معتبر قرار پائے ہیں۔

شاہ اسماعیل صفوی نے کہا: میں خود اس کا تجربہ کروں گا اور اس مشکل کو حل کروں گا۔

شاہ اسماعیل حضرت حُرؓ کی قبر پر گیا اور اس نے حکم دیا کہ ان کی قبر کو کھودا جائے۔ قبر کھود دی گئی یہاں تک کہ حُرؓ کا جسم مبارک نمودار ہوا اور شاہ اسماعیل یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک ہزار برس گزرنے کے بعد بھی شہید کا جسم تر و تازہ حالت میں تھا۔

حضرت حُرؓ کے سر پر ایک رومال بندھا ہوا تھا۔ اسے ہٹایا گیا کہ یہ رومال انہیں امام حسین علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس وقت باندھا تھا جب ان کے سر سے خون

بہہ رہا تھا۔شاہ اسماعیل صفوی نے کہا کہ یہ رومال بڑا مقدس ہے کیونکہ یہ امام علیہ السلام کا رومال ہے۔میں یہ رومال اپنے پاس بطور تبرک رکھنا چاہتا ہوں اور مرنے کے بعد اسے کفن میں رکھوں گا۔

اس کے بعد شاہ اسماعیل نے رومال کھولا۔جیسے ہی رومال کُھلا تو حضرت حُر کے سر سے خون بہنے لگا اور پوری قبر خون سے بھر گئی۔لوگوں نے خون روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن خون کسی طرح سے بھی رُکنے میں نہ آیا۔

شاہ اسماعیل نے کہا: کوئی بات نہیں۔اس رومال کی جگہ تم میرا رومال ان کے سر سے باندھ دو۔لوگوں نے شاہ اسماعیل صفوی کا رومال باندھا لیکن حضرت حُر کا خون پھر بھی نہ رُکا۔وہاں پر موجود افراد نے شاہ اسماعیل سے کہا کہ آپ حُر کے سر پر امام حسین علیہ السلام کا عطا کردہ رومال باندھیں کیونکہ یہ رومال حضرت حُرؑ کے لئے امام کی طرف سے تاج کرامت ہے جو امامؑ نے ان کے سر پر سجایا ہے اور حضرت حُر یہ تاج پہن کر صحرائے محشر میں آئیں گے۔شاہ اسماعیل نے وہ رومال واپس کیا اور لوگوں نے وہ رومال دوبارہ باندھا تو حضرت حُر کا خون رُک گیا۔

شاہ اسماعیل نے یہ معجزہ دیکھ کر حکم دیا کہ حضرت حر کا حرم اور قبہ تعمیر کیا جائے۔

آلِ علیؑ سے لڑائی کا انجام

ایران کے شہر کاشان (۱۲۶) میں ایک شخص دوکانداروں سے انکم ٹیکس لینے کا افسر مقرر ہوا۔

اس نے انکم ٹیکس بڑھانے کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ سامان کی خرید وفروخت صرف دکان کے اندر ہی کی جائے گی۔دوکانوں سے باہر یا چلتے پھرتے کوئی شخص کوئی سودا نہیں بیچے گا۔اتفاق سے ایک غریب سید کے پاس تین کلو گوند تھی وہ اسے فروخت کرنے کے لیے شہر کاشان میں آیا۔جب انکم ٹیکس کے افسر کو اس کے متعلق پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا جائے۔

سپاہی بے چارے سید کو پکڑ کر اس افسر کے پاس لے گئے۔اس نے اسے گالیاں دیں اور منہ پر تھپڑ مارے پھر اسے دھتکار دیا۔سید بے چارہ روتا ہوا چلا اور اس نے کہا: میرا دادا اس گستاخی کی تجھے ضرور سزا دے گا۔

ظالم افسر نے سید کے یہ جملے سن لیے۔سپاہیوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔

سپاہیوں نے سید کو دوبارہ پکڑا اور اس کے سامنے پیش کیا اب اس نے سید پر اور زیادہ تشدد کیا اور کہا: اپنے دادا سے جا کر کہہ دو کہ وہ میرے بازو کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔

(سید بے چارہ روتا ہوا چلا گیا)۔دوسرے دن وہ ظالم بیمار ہوا شام کے وقت اسے بازو میں درد محسوس ہوا۔دوسرے دن اس کے بازوؤں پر ورم آ گیا۔جب

چوتھا دن ہوا تو ڈاکٹروں نے اس کے بازو کا گوشت کاٹ دیا اور گوشت کٹنے کے بعد اس کی ہڈی ظاہر ہوگئی اور ساتویں دن وہ ظالم مر گیا۔

درود شریف کا فائدہ

چند زائرین بیت اللہ نے بیان کیا کہ ہم حج پر گئے تو ہم نے ایک شخص کو دیکھا جو صفا و مروہ، عرفات و منیٰ اور دوران طواف مسنون دعاؤں کی جگہ ہر وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پاک پر درود بھیجتا رہتا تھا۔

ہم نے اسے کہا: ہم نے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے اور تم سے کچھ نہ سنا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ یہ دن وہ ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ تضرع وزاری کرے اور اللہ سے مدد چاہے۔

اس شخص نے کہا: چند سال قبل میں اپنے بوڑھے والد کو لے کر حج کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں میرے والد بیمار ہو گئے اور ابھی آدھا راستہ باقی تھا کہ ان پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے والد کا چہرہ کوئلے کی طرح سیاہ ہو گیا اور میں نے ان کے چہرے پر عذاب کی علامت دیکھی۔ اس وقت میرے والد چیخ کر کہہ رہے تھے۔ ہائے میں جل گیا، ہائے میں جل گیا۔ میں نے باپ کی یہ حالت دیکھی تو سخت پریشان ہوا۔ میں نے خدا کے حضور التجا کی کہ پروردگار! اگر میرا باپ اس حالت میں مر گیا تو لوگ ساری زندگی مجھے طعنے دیں گے۔ اس حالت میں ابھی چند ہی لمحات گزرے تھے کہ میرے والد کی رنگت آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد ان کا

چہرہ دمکنے لگا اور وہ پُرسکون ہوکر متبسم چہرے کے ساتھ رخصت ہوئے۔

(میں نے والد کی تجہیز تکفین کی ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا)۔ پھر میں نے رب العالمین سے التجا کی کہ پروردگار! میرے والد کی حالت میں یہ تبدیلی کس طرح آئی اس کے سبب سے مجھے بھی آگاہ فرما۔ اس رات میں نے خواب میں اپنے والد کو دیکھا۔ انہیں ہر طرح کی نعمات میسّر تھیں اور وہ بہت ہی خوش تھے۔ میں نے ان سے احوال پوچھا تو انھوں نے کہا: تو نے دنیا میں میرے اعمال دیکھے تھے میں نے زندگی میں بہت زیادہ غلطیاں کی تھیں جن کی وجہ سے میں عذاب کا مستحق بن چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نزع کی حالت میں مجھ پر عذاب کے آثار طاری ہوئے۔ پھر چند لمحات بعد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مجھے یہ ندا سنائی دی ''تو نے زندگی میں ہم پر زیادہ صلوات پڑھی تھی آج ہم تجھے اس کا بدلہ دیں گے''۔

اس کے بعد میرا چہرہ سفید ہو گیا اور مجھ سے عذاب دور ہو گیا، میں محمدؐ وآل محمدؐ پر درود پڑھنے کی وجہ سے اس وقت بہت زیادہ نعمات اور آرام وسکون میں پہنچ چکا ہوں اور یہ تمام نعمات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوات کے عوض مجھے عطا فرمائی ہیں۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد جوان نے ہم سے کہا کہ میں نے اُس دن سے ہی طے کرلیا کہ میں ہر وقت محمدؐ وآل محمدؐ پر صلوات پڑھتا رہوں گا۔ (۱۲۷)

قران کی برکت

دو نومسلم مسیحی جوان مراکش کے ایک دینی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے۔ جب ان سے ان کے اسلام کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے اپنی روئیداد یوں سنائی:

چند سال قبل ہم ہسپانیہ میں قید ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک عراقی مسلمان بھی قید تھا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر قران مجید پڑھا کرتا تھا۔ اس کی آواز اتنی اچھی تھی کہ ہم عش عش کر اٹھتے تھے۔ ہم عربی زبان سے ناواقف تھے اسی لئے ہم قران کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے۔

ہم نے عربی نوجوان سے کہا کہ وہ ہمیں عربی زبان سکھائے۔ نوجوان نے بڑی محنت سے ہمیں عربی کی تعلیم دی اور ہم پورے ذوق وشوق سے عربی پڑھتے رہے۔ آخر کار ہم نے اتنی عربی پڑھ لی کہ قرانی آیات کا تھوڑا بہت مفہوم سمجھنے لگے۔

ایک دن نوجوان نے قران کریم کی یہ آیت پڑھی۔

"واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان"
(البقرة. ١٨٦).

ترجمہ: اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں (قریب) ہوں میں ہر دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔

جب ہم نے یہ آیت سنی تو ہم نے اسلام اور مسیحیت کی تعلیمات کا موازنہ کیا اور دیکھا کہ مسلمان اپنے خالق سے جس وقت چاہیں بات کرتے ہیں اور انہیں کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں جبکہ عیسائی جھوٹی شرع پر عمل کرتے ہیں اور پادری

لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ کوئی شخص براہ راست خدا سے ہم کلام نہیں ہوسکتا۔ خدا سے ارتباط کے لیے ضروری ہے کہ انسان پادری کے پاس جائے اور اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور پادری کی خدمت میں گناہوں کی بخشش کے لئے معقول رقم پیش کرے۔ کیونکہ پادری خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے اور خدا تک جانے کا راستہ صرف اسے ہی معلوم ہے۔

ان آیات کے سننے سے ہم شک میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ کیا یہ سچ ہے کہ خدا ہم سے قریب ہے اور ہم اس سے بغیر کسی درمیانی واسطہ کے (جو چاہیں) طلب کر سکتے ہیں۔

جیل میں ایک مرتبہ ہنگامہ ہوا۔ جیل حکام نے قیدیوں کے لئے کھانا پانی بند کر دیا۔ جب ہم دونوں دوست بھوک پیاس سے بے تاب ہوئے تو ہم نے سوچا کہ یہاں ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ جب ہم موت کی سرحد پر پہنچے تو ہمیں اچانک قران کی آیات یاد آئیں۔ اس وقت ہم نے خدا کو براہِ راست مخاطب کر کے عرض کیا: خدایا! اگر یہ آیات تیری ہی نازل کردہ ہیں اور اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے سچے نبی ہیں تو پھر ہماری مدد فرما کیونکہ پیاس سے ہم مرنے ہی والے ہیں۔

جیسے ہی ہماری زبان سے یہ الفاظ نکلے تو ہمارے کمرے کی دیوار اچانک پھٹ گئی اور پانی کی ایک نہر جاری ہوئی۔ ہم نے جی بھر کر پانی پیا اور اسی وقت صدق دل سے ہم نے اسلام قبول کرلیا۔

ذکرالٰہی کی فضیلت

عبداللہ بن یحییٰ امیرالمومنین علیہ السلام کے ایک شیعہ تھے۔ ایک دن وہ امیرالمومنین علیہ السلام کی زیارت کے لئے آئے۔ حضرت کرسی پر تشریف فرما تھے۔ حضرت کی کرسی کے ساتھ ایک اور خالی کرسی رکھی ہوئی تھی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے عبداللہ سے فرمایا کہ تم اس کرسی پر بیٹھ جاؤ عبداللہ کرسی پر بیٹھنے لگا کہ کرسی پھسلی اور عبداللہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور زمین پر گرا۔ گرنے سے سر پر چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اس کے لئے پانی منگوایا۔ عبداللہ نے اپنے زخم کو دھو کر صاف کیا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے اسے اپنے قریب بلایا اور آپ نے اس کے زخم کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور وہاں لعابِ دہن لگایا۔ آپ کے لعاب دہن کے اثر سے عبداللہ کا سر بالکل ٹھیک ہو گیا اور زخم کا نشان تک نہ رہا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

''عبداللہ! اس خدا کا شکر ادا کرو جو ہمارے شیعوں کے گناہوں کو اس طرح کی تکلیف سے دنیا میں ہی مٹا دیتا ہے تا کہ ان کی عبادت خالص رہے''۔

عبداللہ نے عرض کیا:

''امیرالمومنین علیہ السلام! اِس وقت مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی تھی جس کی وجہ سے مجھے زمین پر گرنا پڑا؟ آپ مجھے میری غلطی سے آگاہ کریں تا کہ میں آئندہ اس طرح کی غلطی کا اعادہ نہ کروں''۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

تو نے غلطی یہ کی کہ جب تو کرسی پر بیٹھنے لگا تو نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہیں پڑھی۔ اسی لئے تجھے یہ تکلیف سہنا پڑی۔ عبداللہ! تمہیں معلوم ہونا چاہیے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے جس عمل میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہ پڑھی جائے تو اس کام کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ (۱۲۸)

تمت بالخير والحمد لله رب العالمين. ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب الرحيم. رب اجعلنی مقيم الصلوٰة ومن ذريتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی والوالدی وللمؤمنين يوم يقوم الحساب. بحق النبی واهل بيته الطاهرين وصلی الله علی خير خلقه و خاتم الانبياء ہ وعلیٰ اهل بيته وسلم تسليما كثيرا.

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

مترجم اردو: محمد حسن جعفری عفاالله عنه وعن والديه واساتذته.

حوالہ جات

۱۔ کتاب سلیم بن قیس الہلالی ص ۲۴۹۔

بحارالانوار جلد ۲۸ ص ۲۹۷ حدیث ۴۸ بحوالہ کتاب سلیم

۲۔ الروضۃ ۲، الفضائل ۹۹۔ بحارالانوار ج ۴۲ ص ۷ حدیث ۸

دارالسلام نوری ج ۲ ص ۱۴ بحوالہ کتاب الاربعین قمی۔

۳۔ فضائل ابن شاذان ص ۱۲۲۔ بحارالانوار ج ۴۶ ص ۱۳۴ حدیث ۲۵۔

۴۔ احتجاج طبرسی ص ۲۵۶ بروایت امام حسن عسکری علیہ السلام۔

مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۳۱۰۔ بحارالانوار ج ۴۱ ص ۵۵ حدیث ۵۔

۵۔ مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۳۴۶، بحارالانوار ج ۳۹ ص ۲۰۳ حدیث ۲۳۔

۶۔ مستدرک سفینۃ البحار ج ۸ ص ۴۳۹۔

۷۔ اس کا نام رباح تھا اور وہ سفینہ کے نام سے مشہور تھا۔ رسول اکرمؐ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ بحارالانوار ج ۲۲ ص ۲۶۲ حدیث ۲ بحوالہ اعلام الوریٰ ص ۱۵۱ دوسرا ایڈیشن

۸۔ محاسن برقی ج ۱ ص ۱۵۰ حدیث ۷۔ مستدرک سفینۃ البحار ج ۲ ص ۱۳۵ طبع مشہد۔

۹۔ المنتقیٰ بحوالہ احیاء علوم الدین غزالی۔ بحارالانوار ج ۱۹ ص ۳۸ حدیث ۶۔

۱۰۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۷۔ بحار الانوار جلد ۴۰ ص ۳۳۶ حدیث ۱۹۔

۱۱۔ دار السلام نوری ج ۱ ص ۳۷۹ بحوالہ تاریخ ابن خلکان۔ آیات بینات فی حقیقة بعض المنامات۔ شیخ تستری ص ۵۹ حدیث ۱۲۔ واضح رہے کہ ''ابن صیفی'' کا پورا نام سعد بن محمد بن سعید تھا۔ وہ ''حیص بیص'' کے نام سے مشہور تھا کیونکہ لوگ اسے بے چینی کی حرکات کرتے دیکھتے تھے چنانچہ کہا گیا: حیص بیص میں لوگوں کے لئے کیا ہے؟ چنانچہ ہمیشہ کے لئے اس کا یہ لقب پڑ گیا۔ حیاۃ الحیوان دمیری۔

۱۲۔ تفسیر فرات کوفی ص ۹۹۔ بحار الانوار ج ۴۲ ص ۴۴ حدیث ۱۷۔ دار السلام علامہ نوری ج ۱ ص ۲۸۹۔

۱۳۔ کافیِ کلینی ج ۲ ص ۶۷۰۔ قرب الاسناد ص ۷ بحار الانوار ج ۴۱ ص ۵۳ حدیث ۵۔

۱۴۔ اختصاص مفید ص ۱۱۴۔ بحار الانوار ج ۴۰ ص ۱۱۶ حدیث ۱۱۷۔

۱۵۔ دار السلام۔ شمس الدین محمد رضوی۔ یہ صفوی حکومت کے علماء میں سلطان طہماسپ (آخری) کے عہد میں تھے۔

۱۶۔ کشف الیقین فی فضائل امیر المومنین ص ۱۶۴۔ بحار ج ۴۲ ص ۱۰ حدیث ۱۲۔ دار لسلام ج ۱۔ ص ۲۸۶۔ اور اسی کی مانند علامہ حلّی نے اپنے اجازہ میں ذکر کیا ہے (وہ حاکم موصل مقلّد بن مسیّب کے ذبح کا قصہ ہے) بحار ج ۴۲ ص ۵ حدیث ۵

۱۷۔ مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۳۷۰۔ بحار الانوار (باسناد مختلفہ) ج ۳۹ ص

۲۷ حدیث ۱۰۔ کشف الغمہ ص ۹۱۔ اعلام الوریٰ ص ۱۶۲۔

۱۸۔ امالی صدوق ص ۳۴۸۔ بحار الانوار ج ۳۵ ص ۳۰۷ الفضائل ص ۱۵۹۔ روضہ ص ۳۰۔

۱۹۔ یہ شریف الرضی کے بھائی تھے جنہوں نے نہج البلاغہ مرتب کی تھی۔

۲۰۔ ریاض العلماء عبداللہ اصفہانی۔ دار السلام علامہ محدث نوری ج ا ص ۳۸۶۔

۲۱۔ کشف الغمہ ص ۴۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن حدید ج ۲ ص ۱۴۷، بحار الانوار ج ۴۰ ص ۳۳۴ حدیث ۱۵، ج ۴۱ ص ۱۶۱ حدیث ۵۶۔

۲۲۔ اعلام الوریٰ ص ۱۷۸، ارشاد مفید ص ۱۵۷، بحار الانوار ج ۴۱ ص ۲۶۰ ح ۲۱۔ ارشاد القلوب ج ۲ ص ۱۷۶، مناقب علیؑ خوارزمی ص ۱۶۷، شرح نہج البلاغہ معتزلی ج ا ص ۶۴۳، کتاب صفین ص ۱۴۷۔

۲۳۔ بحار الانوار ج ۱۰، ۴۷ میں اس کا نام فضّال بن حسن بن فضّال الکوفی مرقوم ہے۔

۲۴۔ الاحتجاج ص ۲۰۵۔ بحار الانوار ج ۴۷ ص ۴۰۰، الفصول المختارۃ ص ۴۲۔

۲۵۔ بحار الانوار ج ۴۲ ص ۲۵۹ و دیگر کتب تاریخ۔

۲۶۔ بحار الانوار ج ۴۲۔ ص ۳۳۴ نقلاً عن بعض الکتب القدیمۃ۔

۲۷۔ الخرائج والجرائح ص ۲۱۔ فرحۃ الغری ص ۱۰۱۔ ارشاد مفید ص ۱۲۔ بحار الانوار ج ۴۲ ص ۲۲۳، ۳۲۹۔

۲۸۔ وقعۃ الصفین از نصر بن مزاحم۔ بحار ج ۴۱ ص ۱۸۴ ح ۲۱۔

۲۹۔ کشف الیقین ص ۱۶۷۔ بحار الانوار ج ۴۱ ص ۱۹۱۔

۳۰۔ مناقب آل ابی طالب ج اص ۳۱۷، بحارالانوار ج ۴۱ص ۵۲ حدیث ۳۔

۳۱۔ امالی شیخ صدوق ص ۳۶۸، بحارالانوار ج ۴۰ص ۳۴۷۔حدیث ۲۹۔

۳۲۔ تنبیہ الخواطر ج ۲ص ۳۔ بحارالانوار ج ۴۰ص ۳۳۷۔حدیث ۲۲۔

۳۳۔ بشارۃ المصطفیٰ طبری ص ۱۷۲۔تفسیر فرات کوفی درذیل آیت ۱۸ از سورہ حجرات
بحارالانوار ج ۳۲ص ۱۰۶ حدیث ۴۷۶،۴۷۸۔

۳۴۔ امالی شیخ طوسی ص ۱۵۹، الطرائف ص ۱۸، بحارالانوار ج ۳۸ص ۳۵۰،
۳۵۵ حدیث ۲،۸۔

۳۵۔ ارشاد مفید ص ۱۰۵، کافی کلینی ج ۷ص ۴۲۷، بحارالانوار ج ۴۰ص ۲۶۳
حدیث ۳۲۔

۳۶۔ کتاب تبصرۃ المومنین سید نصر اللہ حائری، حدیقہ حکیم سنائی غزنوی، دارالسلام
علامہ نوری ج ۲ص ۶۷۔

۳۷۔ شرح بدیعیہ ابن المقری، اسے شیخ محمد تقی تستری نے اپنی کتاب قضاء
امیر المومنین علیہ السلام ص ۱۲۱ پر نقل کیا ہے۔

۳۸۔ ثاقب المناقب شیخ طوسی، دارالسلام علامہ نوری ج اص ۲۸۲۔

۳۹۔ کشف الغمہ ص ۴۸، طرائف ص ۱۲، بحارالانوار ج ۳۵ص ۳۷۶ حدیث ۱۔

۴۰۔ المناقب ابن شہر آشوب ج ۲ص ۲۵۱ نقلاً عن الکافی

۴۱۔ الثاقب فی المناقب شیخ طوسی ص ۲۳۶ ح ۲۰۲۔ دارالسلام علامہ نوری بحوالہ
الثاقب ج اص ۲۷۴۔

۴۲۔ بصائر الدرجات ص ۷۲، مشارق الانوار از رجب برسی، بحارالانوار ج

۲۶ص ۱۴۰، ۱۵۴ اور ضمن حدیث ۱۱، ۴۳۔

۴۳۔ الخرائج والجرائح ص ۱۸۵، بحار الانوار ج ۱۷ص ۳۷۸ حدیث ۴۶۔

۴۴۔ الخرائج والجرائح راوندی، بحار الانوار بحوالہ الخرئج ج ۴۳ص ۲۸ حدیث ۳۲، الثاقب فی المناقب از شیخ طوسی ص ۱۹۶ حدیث ۱۷۲، معالم الزلفیٰ ص ۴۱۵ (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ)

۴۵۔ بشارۃ المصطفیٰ طبری، بحار الانوار ج ۴۳ص ۵۶ حدیث ۵۰۔

۴۶۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ص ۳۳۹۔ بحار الانوار ج ۴۳ص ۴۷ حدیث ۶۱۔

۴۷۔ مناقب آل ابی طالب ج ۱ص ۲۸۷، بحار الانوار ج ۴۱ص ۲۸ حدیث ۱۔

۴۸۔ تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری ص ۱۷۳ تا ۱۷۸۔ بحار ج ۸ص ۶۸ حدیث ۱۲۔ اور ج ۱۷ص ۲۴۳ حدیث ۲۔ تفسیر فرات کوفی ص ۱۷۱۔ کنز الفوائد ص ۳۵۵ (نسخہ رضویہ)

۴۹۔ دار السلام علامہ نوری ج ۲ص ۱۷۲، منتخب التواریخ ص ۱۵۸، قصص وخواطر از عبد العظیم بحرانی حکایت ۲۷۔

۵۰۔ امالی شیخ طوسی ص ۳۷، بحار الانوار ج ۴۳ص ۹۴ ح ۵۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ص ۳۴۵۔

۵۱۔ امالی شیخ طوسی ح ۱ص ۳۳۷ ج ۱۰۱، بحار الانوار ج ۴۵ص ۳۹۵ ح ۴۔

۵۲۔ مجمع الداعوات ص ۷، بحار الانوار ج ۹۱ص ۲۲۶ ح ۲، اور ج ۴۳ص ۶۶، رجال کشی ص ۶۔

۵۳۔ بحارالانوار ج ۴۳ص ۲۸۹ طبع تہران۔

۵۴۔ کافی ج ۲ص ۱۰۸، بحارالانوار ج ۷۱ ص ۳۳۵ ح ۱۱۳۔ اعلام الدین از بحار ج ۹۴ص ۱۲۹ح ۲۔

۵۵۔ احتجاج ص ۱۳۷۔ بحارالانوار ج ۴۴ص ۷۹ ح ۱۔

۵۶۔ مناقب شہرآشوب حوالہ از بحارالانوار ج ۴۳ص ۳۱۹، ح ۲۔

۵۷۔ دارالسلام از محدث نوری ج ۲ص ۳۱۳۔

۵۸۔ امالی شیخ طوسی ج ۱ص ۳۲۸ ح ۹۵۔ بحارالانوار ج ۴۵ص ۳۹ ح ۱۰۔

۵۹۔ اس کو شیخ طوسی سے اپنی امالی میں تذکرہ کیا ہے حسین بن محمد ازدی سے انہوں نے اپنے والد سے جنہوں نے کہا: میں شہر کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور یہ دو افراد میرے پاس بیٹھے یہ باتیں کررہے تھے۔ نیز بحارالانوار ج ۴۵ ص ۳۹۹ ح ۹۔ لآلی الاخبار ج ۴ص ۱۲۶ از شیخ تویسر کانی۔

۶۰۔ ثواب الاعمال ص ۲۵۰۔ بحارالانوار ج ۲۷ص ۲۰۴ ح ۶ اور ج ۴۵ص ۸۴ ح ۱۲۔ رجال کشی ص ۱۰۵۔

۶۱۔ بحارالانوار ج ۴۴ص ۱۹۶ ح ۱۸ از جامع الاخبار۔

۶۲۔ ارشاد مفید ص ۲۲۸، بحارالانوار ج ۴۵ص ۱۱۶۔ امالی شیخ طوسی۔

۶۳۔ ارشاد ص ۲۰۹۔ بحارالانوار ج ۴۴ص ۳۷۹۔ کتاب الملہوف وفی وقعۃ صفین ص ۶۰۔ تاریخ طبری میں عقبہ بن سمان سے جسے نقل کیا ہے شیخ محمد تقی تستری نے اپنی کتاب ''آیات بینات فی حقیقۃ بعض المنامات'' کے ص ۸۸ ح ۸ میں۔

۶۴۔ الخرائج والجرائح از راوندی ماخوذ از بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۵۸ ح ۳۱۔

۶۵۔ کامل الزیارات ص ۱۰۱، بحار الانوار ج ۴۴ ص ۲۸۹ ح ۳۱۔

۶۶۔ ارشادِ مفید ص ۲۰۹۔ بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۷۹۔

۶۷۔ دار السلام ج ۲ ص ۱۶۲ میں علامہ نوری نے تحریر کیا ہے کہ مجھ سے شیخ ائمہ عراق شیخ جواد نے بیان کیا انہوں نے اپنے والد جلیل راشخ سے انہوں نے شیخ حسین نجفی سے علم الحدیث والتنزیل سے یہ واقعہ بیان کیا۔

۶۸۔ اسے مجلسی نے بعض کتبِ قدیم سے بحار الانوار ج ۴۴ ص ۳۳۱ ح ۲ پر نقل کیا ہے۔ نیز خرائج الجرائح میں راوندی نے بحار الانوار ج ۴۵ ص ۸۹ ح ۲۸ سے، اعلام الوریٰ ص ۱۴۱ (طبع دوم) میں بحار الانوار ج ۱۸ ص ۱۲۴ ح ۳۶ سے اور مدینۃ المعجزات از علی ابن طاؤس سے علامہ نوری نے دار السلام ج ۱ ص ۲۴۵ پر نقل کیا ہے۔

۶۹۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار ج ۴۶ ص ۸۷ میں اس قصہ کو حضرت امام سجادؑ سے منسوب کیا ہے اور مناقبِ شہر آشوب ج ۴ ص ۱۹ پر یہ روایت امام حسنؑ سے منسوب ہے۔

۷۰۔ بحار الانوار ج ۶۸ ص ۱۲۳۔۱۲۴۔

۷۱۔ عیون اخبار رضا ج ۲ ص ۱۴۵۔ بحار الانوار ج ۴۶ ص ۶۹ ح ۴۱۔

۷۲۔ بحار الانوار ج ۴۶ ص ۶۰ ح ۱۸ از امالی شیخ صدوق ص ۴۰۷۔ نیز بحار الانوار ج ۳ ص ۲۸۹ ح ۵۷ از مناقب شہر آشوب، نیز بحار الانوار ج ۶۸ ص ۱۸۶ ح ۴۷ از بشارۃ المصطفیٰ ص ۷۹۔

۷۳۔ ارشاد مفید ص ۲۷۲۔ بحار الانوار ج ۴۶ ص ۵۷ ح ۶۵۔

۷۴۔ اعلام الوریٰ ص ۱۵۴، ارشادِ مفید ص ۲۷۳، بحار الانوار ج ۴۶ ص ۵۴ ح ۱۔

۷۵۔ کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۷۳، بحار الانوار ج ۴۶ ص ۹۹ ح ۸۷۔

۷۶۔ اقبال الاعمال ص ۴۷۷، بحار الانوار ج ۴۶ ص ۱۰۳ ح ۹۳۔

۷۷۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۱۶، بحار الانوار ج ۴۶ ص ۲۵۷ ح ۵۹۔
اختصاص، ص ۵۲، رجال کشی ص ۱۱۲ دونوں سے بحار الانوار ج ۴۶ ص ۳۳۳
ح ۱۸ کے تحت نقل کیا گیا۔ نیز محدِث نوری نے دار السلام ج ۲ ص ۳۳۰ پر
ذکر کیا۔

۷۸۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۲۸۸۔ بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۵۷ ح ۷۔

۷۹۔ الخزائج والجرائح ص ۲۰۰، مناقب شہر آشوب ج ۳ ص ۲۵۹۔ بحار الانوار ج
۴۷ ص ۱۳۴ ح ۱۸۳۔

۸۰۔ مناقب شہر آشوب ج ۳ ص ۳۶۱۔ بحار الانوار ج ۴۷ ص ۱۷۹ ح ۲۷۔

۸۱۔ کافی ج ۲ ص ۱۹۰۔ بحار الانوار ج ۴۷ ص ۳۷۰ ح ۸۹، لآلی الاخبار ج ۳ ص
۱۳۵ از شیخ تویسر کانی۔

۸۲۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۶۵، بحار الانوار ج ۴۷ ص ۱۳۷ ح ۱۸۸،
کافی ج ۵ ص ۱۰۶۔

۸۳۔ کافی جلد ۴ ص ۴۹۔ بحار الانوار ج ۴۷ ص ۴۲ ح ۵۶۔

۸۴۔ تفسیر عیاشی، بحار الانوار ج ۴ ص ۱۱۸ ح ۵۰۔

۸۵۔ کافی ج ۵ ص ۶۵۔ بحار الانوار ج ۴۷ ص ۲۳۲ ح ۲۲۔ دار السلام ج ۳ ص

۲۸۳۔

۸۶۔ بحارالانوار ج ۵۰ ص ۸۸ ذیل ح ۳۔

۸۷۔ بحارالانوار ج ۲۷ ص ۲۹ ح ۲۔ بصائر الدرجات ص ۵۔ اختصاص ص ۳۰۳۔

۸۸۔ رجال نجاشی ص ۱۷۶، توحید از صدوق، بحار ج ۳ ص ۵۱ ح ۲۵۔

۸۹۔ دارلسلام ج ۱ ص ۱۸۲ میں علامہ نوری نے کافی سے نقل کیا ہے محمد بن مسلم کی یا مرسل روایت سے، کہا: موسی زوار العطار حضرت امام صادق کی خدمت میں آئے اور آپؑ سے کہا: (وہی حدیث جو نقل کی گئی)۔ اور کافی ہی سے شیخ محمد تقی تستری نے اپنی "**کتاب آیات بینات فی حقیقة بعض المنامات**" ص ۱۰۴ حدیث ۲ میں نقل کیا ہے۔

۹۰۔ مہج الدعوات ص ۱۹۲۔ بحارالانوار ج ۷۴ ص ۱۹۵ ح ۴۰۔

۹۱۔ عدة الداعی ص ۱۳۶، بحارالانوار ج ۷۴ ص ۲۰۷ ح ۴۹۔ عدة ابن فہد جس سے شیخ تویسر کانی نے کتاب لئالی الاخبار ج ۳ ص ۱۳۳ پر نقل کیا ہے۔

۹۲۔ تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۲۱۹۔ میں حمران نے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص پیٹ کے درد سے روتا ہوا آیا اور اس کو بحارالانوار ج ۵۹ ص ۷۷ ح ۱۴ پر نقل کیا گیا ہے۔

۹۳۔ الخرائج و الجرائح ص ۲۴۴ سے بحارالانوار ج ۷۴ ص ۱۷۲۔ ح ۱۹ نقل کیا گیا۔ ارشادِ مفید ص ۲۹۰ سے بحار ج ۷۴ ص ۱۷۴ ح ۲۱ میں نقل کیا گیا، مہج الدعوات ص ۱۹۸ سے بحار ج ۷۴ ص ۲۰۰ ح ۴۱ میں نقل کیا گیا۔ اور کافی ج ۶، ص ۴۴۵ سے بحارِ ج ۷۴ ص ۲۰۳ ح ۴۴ میں نقل کیا گیا۔

۹۴۔ مہج الدعوات ص۲۱۳ سے۔ بحارج ۷۴ص۲۰۴ ح ۴۶ میں نقل کیا گیااور اسی کی مثل الخرائج والجرائح ص۲۳۳ سے بحارج ۷۴ص۱۰۲ ح ۱۲۷ میں نقل کیا گیا۔

۹۵۔ علل الشرائع (اردو) ص ۵۹۵۔ بحارالانوار ج ۷۴ص ۱۶۶ ح ۶۔ لئالی الاخبار از شیخ تویسرکانی ج ۵ص۳۳۰۔

۹۶۔ اقبال الاعمال ص ۱۴۷ جسے بحارالانوار ج ۷۴ص ۳۰۷ ح ۲۸ میں نقل کیا گیا ہے، نیز کتاب فضائل الاشہرالثلاثہ دارالسلام ج اص ۱۹۱۔

۹۷۔ توحید شیخ صدوق جس کے حوالے سے بحار ج ۳ ص ۵۰ ح ۲۴ میں نقل کیا گیا۔

۹۸۔ قصص الانبیاء ثعلبی ص ۱۷۰، کشف الغمہ ج ۳ ص ۴۔ ان دونوں سے بحارالانوار ج ۴۸ص ۸۰ ح ۱۰۲ میں نقل کیا گیا۔

۹۹۔ بحارالانوار ج ۶۸ص ۱۴۱ ح ۲۶ بحوالہ احتجاج شیخ طبرسی۔

۱۰۰۔ بحارالانوار ج ۴۸ص ۱۲۹ ح ۴۔ بحوالہ عیونِ اخبارِ رضا ج اص ۱۸۸ اور احتجاج ص ۲۳۱۔

۱۰۱۔ خراسان کا لفظ مرکب ہے ''خور'' یعنی سورج اور ''آسان'' یعنی مشرق سے۔ یہ ایشیاء کا قدیم شہر ہے جس کے شمال میں نہر امو دیا جنوب میں ہندوکش کے پہاڑ اور مغرب میں فارس کے علاقے ہیں۔ یہ بلاد ماوراالنہر تک پھیلا ہوا ہے اور جنوب میں بحستان تک۔ آج کل اس کی تقسیم یوں ہے کہ اس کے شمال مشرق میں نیشاپور اور افغانستان ہیں، شمال میں ہرات اور

بلخ اور ترکمانستان کے علاقے مرو وغیرہ۔ ضحاک نے ۶۵۶ء میں اس پر چڑھائی کی تھی اور ابو مسلم خراسانی نے ۷۴۸ء میں یہاں عباسیوں کے لشکروں کو جمع کیا اور مشرق سے امویوں کی حکومت کا خاتمہ کیا۔

۱۰۲۔ بحارالانوار ج ۴۹ ص ۹۹ حدیث ۱۶ بحوالہ مناقب شہرآشوب ج ۴ ص ۳۶۲۔

۱۰۳۔ مجلسی نے بعض متاخرین مولفین سے بحار ج ۴۵ ص ۲۵۷ ح ۱۵ میں نقل کیا ہے۔ مقتل خوارزمی ج ۲ ص ۱۰۰ میں بھی حدیثِ دعبل ملاحظہ کریں۔ نیز عیون اخبارِ رضا ج ۲ ص ۲۶۳، کمال الدین ج ۲ ص ۴۴، بحارالانوار ج ۴۹ ص ۲۳۹ ح ۹۔

۱۰۴۔ بحار ج ۴۹ ص ۲۸۸ ح ۱۔ بحوالہ عیون اخبارِ رضاؑ ج ۲ ص ۲۳۱ اور علل الشرائع (اردو) باب ۱۷۴ ص ۲۷۹۔

۱۰۵۔ بحار ج ۷۶ ص ۱۹۰ ح ۳۳ ماخوذ از تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۳۱۹۔

۱۰۶۔ الخرائج والجرائح ص ۲۰۸ اور اختصاص ص ۳۲۰ سے بحار ج ۲۵ ص ۳۷۶ ح ۲۵ میں نقل کیا گیا۔

۱۰۷۔ دارالسلام از علامہ نوری ج ۱ ص ۲۵۶ میں ''کمال الدین'' سے نقل کیا گیا۔

۱۰۸۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۵۷ ح ۵۵۔

۱۰۹۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۷۰ ح ۵۵۔ علامہ نوری نے بھی دارالسلام میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۱۰۔ ''دارالسلام'' ج ۱ ص ۲۱۵ پر علامہ نوری نے ''کمال الدین'' از شیخ صدوق سے نقل کیا۔

۱۱۱۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۶۱ ح ۵۱ میں مجلسی نے کشف الغمہ از اربلی سے نقل کیا۔

۱۱۲۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۱۷۵۔ اسی کی مانند علامہ نوری نے کتاب دارالسلام میں سید مرتضیٰ سے روایت کی ہے جو سید اردبیلی کے سسر تھے جن کی بھانجی ان سے بیاہی گئی تھیں۔ وہ سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے اور پوشیدہ اور ظاہراً ان کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ انہوں نے روایت کی مُلّا زین العابدین سلماسی سے۔ اور سامرا میں سردابِ غیبت میں جو واقعات پیش آئے تھے ان کو دہراتے رہتے تھے۔ دارالسلام ج ۲ ص ۲۳۵۔ بحارالانوار ج ۵۳ ص ۲۳۸۔

۱۱۳۔ بعض معتبر کتبِ مناقب سے مجلسی نے بحارالانوار ج ۴۵ ص ۲۳۳ ح ۱ میں روایت کی ہے ہند بنت جون سے جو ام معبد خزاعیہ کی بھانجی تھی۔

نیز بحار ج ۱۸ ص ۴۳ ح ۳۰ میں اعلاج الوریٰ ص ۳۲ (طبع دوم) اور ''ناقب'' ج ۱ ص ۱۰۵ سے نقل کیا گیا ہے۔ نیز راوندی کی الخرائج والجرائح سے بحار کی ج ۱۹ ص ۵۷ ح ۲۶ میں نقل کیا گیا ہے۔

۱۱۴۔ امالی صدوق ص ۱۵۵ سے بحار ج ۳۵ ص ۲۳۷ ح ۱ میں نقل کیا گیا۔ نیز کشف الغمہ از اربلی ج س ص ۸۸ سے بحار ج ۳۵ ص ۲۴۵ ح ۶ نقل کیا گیا۔

۱۱۵۔ دارالسلام از علامہ نوری ج ۱ ص ۲۸۹۔ اسی کی مانند کتاب صفوۃ الاخیار میں اعمش سے نقل کیا گیا ہے۔

۱۱۶۔ دارالسلام ج ۲ ص ۱۷۵۔

۱۱۷۔ دارالسلام ج ۲ ص ۲۷۲۔

۱۱۸۔ بحار ج ۴۳ ص ۲۶ ح ۲۶ ماخوز از مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۴۳۔

۱۱۹۔ کتاب الملھوف ص ۹۵، اسی سے بحار ج ۴۵ ص ۲۲ میں نقل کیا گیا۔

۱۲۰۔ ارشاد ص ۲۱۷ سے بحار ج ۴۵ ص ۵ پر نقل کیا گیا۔ مناقب ابن شہر آشوب سے بحار ج ۴۵ ص ۱۵ پر نقل کیا گیا۔

۱۲۱۔ بحار الانوار ج ۴۷ ص ۱۲۳ ح ۱۷۲ میں مناقب شہر آشوب ج ۳ ص ۳۶۲ سے نقل کیا گیا۔

۱۲۲۔ رجال کشی ص ۷ سے بحار ج ۲۲ ص ۳۴۰ ح ۷ میں نقل کیا گیا۔

۱۲۳۔ بحار الانوار ج ۶۵ ص ۱۵۷ ح ۱۱ میں تفسیر امام حسن عسکریؑ ص ۱۲۳ کے حوالے سے نقل کیا گیا۔

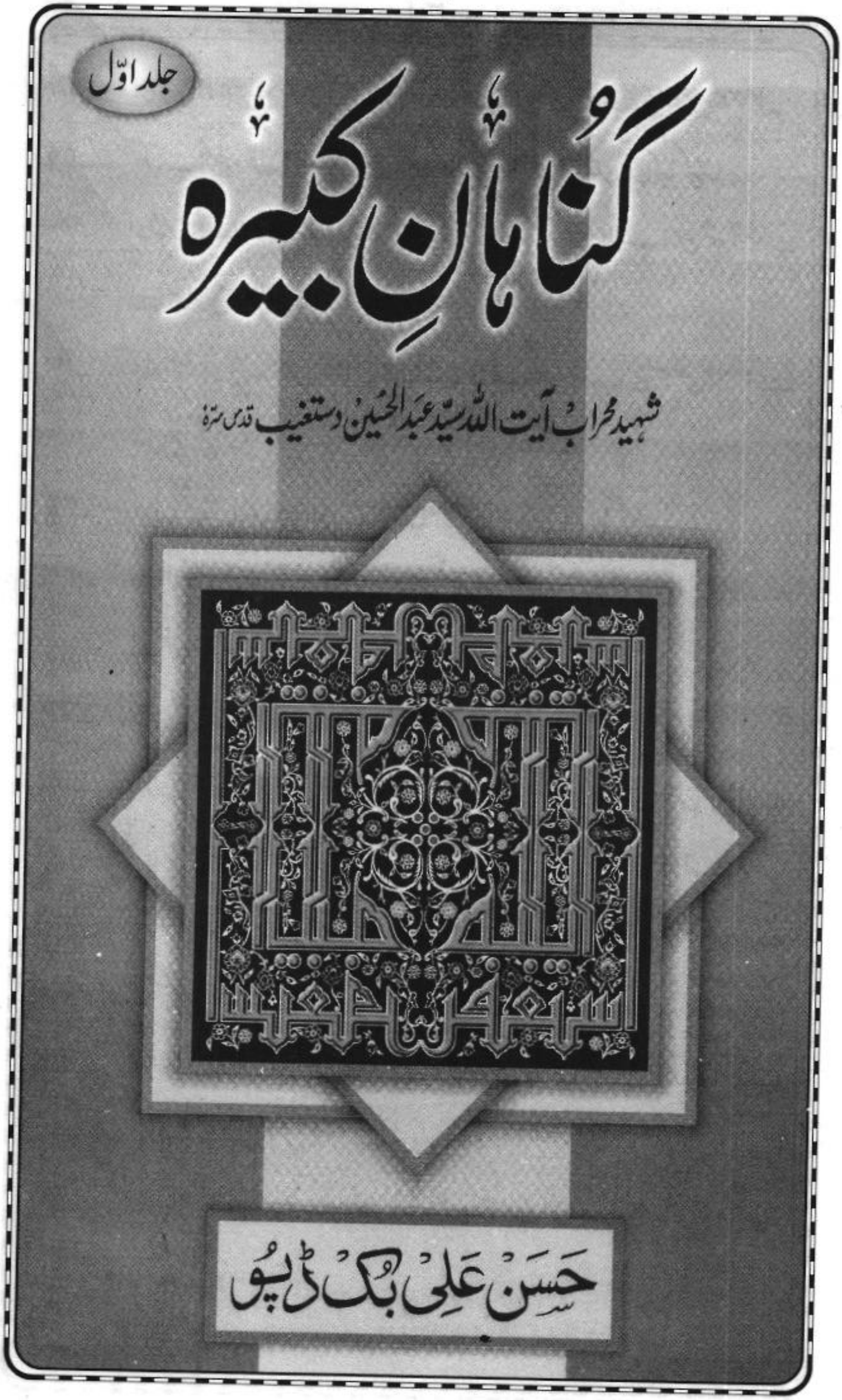
۱۲۴۔ رجال کشی ص ۶، بحار ج ۲۸ ص ۲۳۶ ح ۲۲، کافی ج ۲ ص ۲۴۴ ح ۶۔

۱۲۵۔ بحار ج ۴۱ ص ۳۴۶ ح ۵۹ میں شرح نہج البلاغہ از ابن حدید ج ۱ ص ۲۵۴ سے نقل کیا گیا۔ نیز بحار ۴۲ ص ۱۲۱ ح ۱ نقل کی گئی امالی شیخ طوسی ص ۱۰۳ سے۔

۱۲۶ کاشان یا قاشان، ایران کے وسط میں ایک شہر ہے جو مصلوں کی صنعت کے لئے مشہور ہے۔

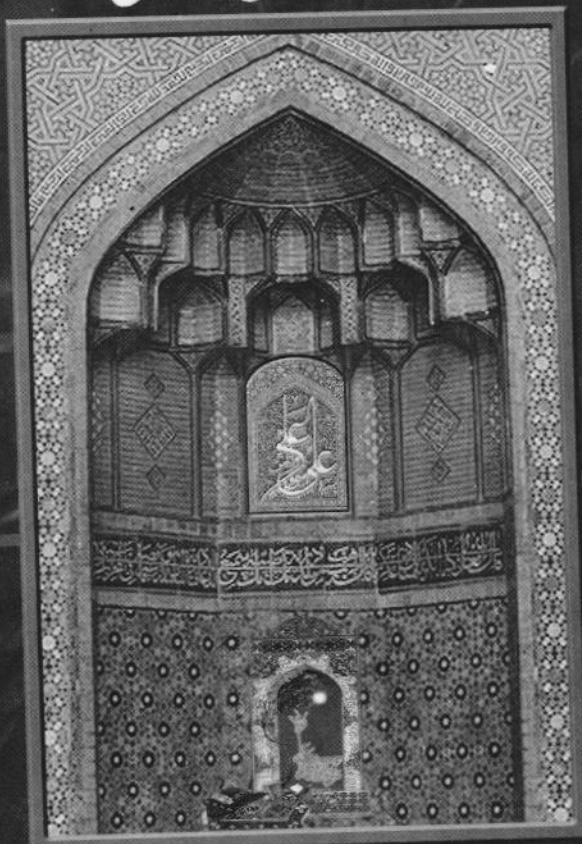
۱۲۷ شیخ عبدالحق دہلوی کی کتاب تاریخ مدینہ المسمیٰ جذب قلوب الی دیار المحبوب سے دار السلام ج ۲ ص ۲۰۹ میں نقل کیا گیا۔

۱۲۸ تفسیر امام عسکریؑ ص ۹ سے بحار ج ۸۹ ص ۲۴۰ ح ۴۸ اور ج ۳۷ ص ۳۰۵ ح ۱ میں نقل کیا گیا۔


جلد اوّل
گناہانِ کبیرہ
شہید محراب آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب قدس سرہ
حسن علی بک ڈپو

ہدیۃ الشیعہ

آیت اللہ علی مشکینی



حسن علی بک ڈپو بالمقابل بڑا امام باڑہ۔ کھارادر۔ کراچی فون ۲۴۳۳۳۰۵۵

آیت اللہ سید محمد حسین تہرانی

عبرت انگیز واقعات











حسن علی بک ڈپو